

ابن عامر کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن ابن صادق کی بلند آواز کے سامنے اس کی نحیف آواز دب کر رہ گئی۔

لوگو! ان فتوحات پر حکومت تمہیں ملک گیری اور مال غنیمت کی ہوس کے سوا کسی اور نیت سے آمادہ نہیں کرتی لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو کہ ملک گیری اور مال غنیمت کی اس ہوس کے باعث کتنی جانیں قربان کی گئیں کتنے بچے یتیم اور کتنی عورتیں بیوہ ہوئیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ترکستان کے میدانوں میں تمہارے نوجوان بھائیوں، بیٹوں کی ہزاروں لاشیں بے گور و کفن پڑی دیکھی ہیں۔ میں نے زخمیوں کو ترپتے اور سر پٹختے دیکھا ہے۔ یہ عبرتناک مناظر دیکھنے کے بعد میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ مسلمانوں کا خون اس قدر اڑا نہیں کہ حجاج بن یوسف کے نام کی شرت کے لیے اس بے دریغ بہایا جائے۔ مسلمانو! میں جہاد کی مخالفت نہیں کرتا، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ابتداء میں ہمیں جہاد کی اس لیے ضرورت تھی کہ ہم کمزور تھے اور کفار ہمیں مٹا دینے پر کمر بستہ تھے۔ اب ہم طاقتور ہیں۔ ہمیں کسی دشمن کا خطرہ نہیں۔ اب ہمیں دنیا کو امن کا گھر بنانے کی تدابیر پر عمل کرنا چاہیے۔

مسلمانو! جو جنگیں حجاج کی ہوس ملک گیری کے تحت لڑی جا رہی ہیں۔

انہیں لفظ جہاد کے ساتھ دُور کے لگاؤ بھی نہیں ہو سکتا۔

حاضرین کو ابن صادق کے الفاظ سے متاثر ہوتے دیکھ کر ابن عامر نے بلند آواز میں کہا: مسلمانو! مجھے معلوم نہ تھا کہ ابھی تک ایسے فتنہ پرداز لوگ موجود ہیں جو۔۔۔

ابن صادق نے ابن عامر کا فقرہ پورا نہ ہونے دیا اور بلند آواز سے کہا:

لوگو! مجھے یہ بات کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ ابن عامر جیسا معزز شخص بھی حجاج بن یوسف کے جاسوسوں میں شامل ہے۔

حجان کے جاسوس کو باہر نکال دو! ابن صادق کے ایک ساتھی نے کہا۔

ابن صادق کا یہ حربہ کامیاب ثابت ہوا۔ بعض لوگوں نے۔ حجاج کا جاسوس، حجاج کا جاسوس، کہہ کر چلانا شروع کیا اور ابن عامر پر توہین آمیز آوازیں کسنے لگے۔ ابن عامر کا ایک شاگرد ضبط نہ کر سکا اور اس نے ایک شخص کے منہ پر شفیق استاد کے متعلق توہین آمیز الفاظ سن کر اسے تھپڑ دے مارا۔ اس پر مسجد میں ہنگامہ ہو گیا۔ لوگ ایک دوسرے کے گھتم گتھا ہو گئے۔

محمد بن قاسم سخت اضطراب کی حالت میں تھا۔ اس کا ہاتھ بار بار تلوار کے قبضے تک جاتا لیکن اُستاد کے اشارے اور مسجد کے احترام سے خاموش رہا۔

اس نازک صورت حال میں نعیم ہجوم کو چرتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے منبر پر کھڑے ہو کر بلند اور شیریں آواز میں قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی۔ قرآن کے الفاظ نے لوگوں کے دلوں پر سحر طاری کر دیا اور وہ ایک دوسرے کو خاموشی کی تلقین کرنے لگے۔ ابن صادق، جو اس جلسہ کو ناکام بنانے کا ارادہ کر کے آیا تھا، چاہتا تھا کہ ایک بار پھر ہنگامہ برپا ہو جائے، لیکن قرآن کی تلاوت پر عوام کے جذبات کا لحاظ اور اپنی جان کے خطرے سے خاموش رہا۔ نعیم نے لوگوں کے خاموش ہو جانے پر تقریر شروع کی:

بصرہ کے بد قسمت انسانو! خدا کے قہر سے ڈرو اور سوچو کہ تم کہاں کھڑے ہو اور کیا کہہ رہے ہو۔ افسوس! جن مساجد کی تعمیر کے لیے تمہارے آباؤ اجداد خون اور

ہڈیاں پیش کرتے تھے۔ آج تم ان کے اندر داخل ہو کر بھی فتنے پیدا کرنے سے باز نہیں آتے۔

نعیم کے ان الفاظ نے مسجد میں سکون پیدا کر دیا۔ اس نے آواز کو ذرا مغموم بناتے ہوئے کہا:

یہ وہ جگہ ہے جہاں تمہارے آباؤ اجداد قدم رکھتے ہی خوفِ خدا سے کانپ اٹھا کرتے تھے۔ جہاں داخل ہونے سے پہلے وہ دنیا کی تمام آلائشوں سے کننا کش ہو جایا کرتے تھے۔ آج میں حیران ہوں کی تمہاری ذہنیت میں اتنا زبردست انقلاب کیونکر آ گیا۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ تمہارا ایمان اتنا کمزور ہو چکا ہے۔ تم خدا اور رسولؐ کے عشق میں جان کی بازی لگا دینے والے مجاہدوں کی اولاد ہو۔ تمہارے دل میں اس بات کا احساس کہ کسی دن اپنے آباؤ اجداد کو منہ دکھانا ہے۔ تمہیں ایسی ذلیل حرکات کی اجازت ہر گز نہیں دے سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں یہ جُرات پیدا کرنے والا کوئی اور ہے۔

ابنِ صادق چونکا ہوا گیا۔ لوگ اس کی طرف مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ اس نے وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے سامعین کے دلوں سے نعیم کے الفاظ کا اثر زائل کرنا چاہا۔ وہ چلایا:

لوگو! یہ بھی حجاج کا جاسوس ہے۔ اسے باہر نکال دو!

وہ آگے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نعیم نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز بلند کی:

میں حجاج کا جاسوس ہی، لیکن اسلام کا غدار نہیں، بصرہ کے بد نصیب لوگو!

تم نے اس شخص کی زبان سے سنا کہ ہمیں جہاد کی اس وقت ضرورت تھی جب ہم کمزور تھے لیکن تمہارا خون جوش میں نہ آیا۔ تم میں سے کسی نے یہ نہ سوچا کہ قرون اولیٰ کا ہر مسلمان طاقت، صبر و استقلال کے لحاظ سے ہمارے زمانے کے تمام مسلمانوں پر فوقیت رکھتا تھا۔

وہ کیا تھے اور کیا کر گئے؟ تمہیں معلوم نہیں کہ ان کے پاس کیا کچھ تھا؟ ان کے ساتھ صدیق اکبر کا خلوص، عمر فاروق کا جلال، عثمان کا غنا، علی مرتضیٰ کی شجاعت اور زمین و آسمان کے مالک کے محبوب ترین پیغمبر کی دُعاؤں شامل تھیں۔ تمہیں یاد رہے جب وہ تین سو تیرہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ میں تیغ و کفن پہن کر نکلے تھے تو آقائے دو جہاں نے یہ فرمایا تھا کہ آج پورا اسلام پورے کفر کے مقابلے کے لیے جارہا ہے۔ لیکن آج ایک ذلیل انسان تمہارے منہ پر آکر کہہ کر رہا ہے کہ وہ نعوذ باللہ ہم سے کمزور تھے!

نعیم کے الفاظ سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ کسی نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور دوسروں نے اس کی تقلید کی۔ بعض نے مؤثر کراہن صادق کی طرف دیکھا اور دینی زبان سے ملامت شروع کر دی۔ نعیم نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

دوستو اور بزرگو! خدا کی راہ میں جان و مال اور دنیا کی تمام آسائشیں قربان کر دینے والے مجاہدوں پر مُلک گیری اور مال غنیمت کی ہوس کا الزام لگانا نا انصافی ہے۔ اگر انہیں دنیا کی ہوس ہوتی تو تم سرفروشی کا وہ جذبہ نہ دیکھتے جو مُٹھی بھر بے سرو سامان مجاہدوں کو کفار کی لاتعداد افواج کے سامنے سینہ سپر ہونے پر آمادہ کر دیتا تھا۔ اگر وہ حکومت کے بھوکے ہوتے تو مفتوح قوموں کو مساوی حقوق نہ دیتے اور آج بھی ہم میں سی کوئی ایسا نہیں جو جہاد پر شہادت کی بجائے مال غنیمت کا ارادہ لے جاتا



ہے۔ مجاہد حکومت سے بے نیاز ہے لیکن خدا کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے والوں کے لیے دنیا میں ہر لحاظ سے سر بلند رہنا، تعجب خیز نہیں۔ سلطنت مجاہد کے فقر کا جزو لازم ہے۔ مسلمانو! ہمارے ماضی کی تاریخ کے صفحات اگر صدیق اکبرؓ کے ایمان اور خلوص کے تبصروں سے لبریز ہیں تو عبداللہ بن ابی کی منافقت کی داستانوں سے بھی خالی نہیں۔ صدیقؓ کے نقش قدم پر چلنے والوں کی زندگی کا مقصد ہمیشہ اسلام کی سر بلندی تھا اور عبداللہ بن ابی کے جانشین ہمیشہ اسلام کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہے ہیں۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ میں عبداللہ بن ابی کے اس جانشین سے پوچھتا ہوں؟

ابن صادق کی حالت اس گیدڑ کی سی تھی جیسے چاروں طرف شکاریوں نے گھیر رکھا ہو۔ اس کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ جادو بیان نو جوان چند اور الفاظ کے بعد تمام مجمع کو اس کے خلاف مشتعل کر دے گا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور لوگوں کو حوصلہ شکن نگاہیں دیکھ کر پیچھے کھسنے لگا۔ کسی نہ کہا۔ منافق جاتا ہے پکڑو! اور کئی نو جوان پکڑو پکڑو! کہتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے ساتھیوں نے اسے چھڑانے کی کوشش کی لیکن ہجوم کے آگے بس نہ چلا۔ کسی نے اسے دھکا دیا اور کسی نے تھپڑ رسید کیا۔ محمد بن قاسم نے بھاگ کر لوگوں کو ادھر ادھر ہٹایا اور بڑی مشکل سے اس کی جان چھڑائی۔

ابن صادق اپنے مداحوں کے دست شفقت سے آزاد ہوتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ چند من چلے نو جوانوں نے شکار جاتا دیکھ رک اس کا تعاقب کرنا چاہا لیکن محمد بن قاسم نے انہیں روک دیا۔ ابن صادق کی جماعت کے آدمی یکے بعد دیگرے مسجد سے باہر نکل گئے۔ لوگ پھر خاموش ہو کر نعیم کی طرف متوجہ ہوئے اور

اس نے تقریر شروع کی:

اس دنیا میں جہاں ہر ذرے کو اپنے قیام کے لیے دوسرے ذروں کی ٹھوکروں کا جواب ٹھوکروں سے دینا پڑتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے جہاد ایک اہم ترین فرض ہے۔ دنیا کو امن کا گھر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ کفر کا آتش کدہ ٹھنڈا کر دیا جائے۔

بدروحمین، قادسیہ، یرموک اور اجنادین کی زرم گاہوں میں ہمارے اسلاف کی تکبیریں کفر کی آگ میں جلتے ہوئے بے بس انسانوں کی چیخوں کا جواب تھیں۔ اور آج ستم رسیدہ انسانیت سندھ کے میدانوں میں ہماری تلواروں کی جھنکار سننے کے لیے بے قرار ہے۔ مسلمانو! تم اپنی قوم کی اس بیٹی کی فریاد سن چکے ہو جو سندھ کے راجہ کی قید میں ہے۔ میں تمہیں سندھ کی فتح کی بشارت دیتا ہوں۔

مجاہد خدا کی تلوار ہے۔ جو گردن اس کے سامنے اکڑے گی، کٹ کر رہ جائے گی۔ سندھ کے مغرور راجہ نے تمہیں اپنی تلوار کی تیزی اور بازو کی قوت آزمانے کی دعوت دی ہے۔

مجاہدو! اٹھو، اور ثابت کر دو کہ ابھی تمہاری رگوں میں شہسوارانِ عرب کا خون منجمد نہیں ہوا۔ ایک طرف خداوند کریم تمہارے جذبہ جہاد اور دوسری طرف دنیا تمہاری غیرت کا امتحان لینا چاہتی ہے، کیا تم اس امتحان کے لیے تیار ہو؟

ہم تیار ہیں۔ ہم تیار ہیں۔ بوڑھے اور جوان فلک شکاف نعروں سے کم سن مجاہد کی آواز پر لبیک کہہ رہے تھے۔

نعیم نے بوڑھے اُستاد کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور

آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلک رہے تھے۔ ابن عامر نے دوبارہ اُٹھ کر مختصر سی تقریر کے بعد بھرتی کے لیے نام پیش کرنے والوں کو ضروری ہدایات دیں اور یہ جلسہ برخاست ہوا۔

(۲)

رات کے وقت محمد بن قاسم کے ہاں ابن عامر، سعید، نعیم اور شہر کے چند معززین دن کے اوقات پر تبصرہ کر رہے تھے۔ نعیم اس دن نہ صرف بصرہ کے نوجوانوں کو اپنا گرویدہ بنا چکا تھا۔ بلکہ وہ عمر رسیدہ لوگ بھی اس کی جرات کی داد دے رہے تھے۔ ابن عامر اپنے ہونہار شاگرد کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے دل میں خطرناک سے خطرناک حادثات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کے جوہر بدرجہ اتم موجود ہے لیکن آج جو کچھ نعیم نے کیا وہ اس کی توقعات سے کہیں زیادہ تھا۔ سعید کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ تھا۔ وہ بار بار نوجوان بھانپے کی طرف دیکھتا اور باہر اس کی منہ سے نعیم کے لیے درازی عمر کی دُعاؤں نکلتیں۔ تقریر کے بعد اس نے نعیم کی حوصلہ افزائی کے لیے سب سے پہلے اپنا نام پیش کیا تھا اور مکتب میں اُس کی اشد ضرورت کے باوجود ابن عامر اسے لشکر کا ساتھ دینے کی اجازت دے چکا تھا۔ بذاتِ خود ابن عامر کے نحیف بازوؤں میں تلوار اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ تاہم اس نے اپنے ہونہار شاگرد محمد بن قاسم اور نعیم کا ساتھ دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن بصرہ کے لوگوں نے اس بات کی مخالفت کی اور ایک زبان ہو کر کہا۔ مدرسہ میں آپ کی خدمات کی زیادہ ضرورت ہے۔ اہل بصرہ سعید کو بھی روکنا چاہتے تھے لیکن محمد بن قاسم نے ہراول کی قیادت کے لیے ایک تجربہ کار جرنیل کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

نعیم کو ہر لمحہ ایک منزل سے قریب اور ایک منزل سے دور لے جا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے حاضرین مجلس کی گفتگو سن رہا تھا۔ ابن عامر حسبِ عادت قرونِ اولیٰ میں کفر و اسلام کی زبردست جنگوں کے واقعات بیان کر رہے تھے۔

کسی نے بارہ سے دستک دی۔ محمد بن قاسم کے غلام نے دروازہ کھولا۔ ایک عمر رسیدہ عرب جس کی بھوئیں تک سفید ہو چکی تھیں۔ ایک ہاتھ میں گٹھڑی اٹھائے اور دوسرے میں عصا تھامے داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر پرانے زخموں کے نشانات ظاہر کر رہے تھے کہ وہ کسی زمانے میں تلواروں اور نیزوں سے کھیل چکا ہے۔ ابن عامر اسے پہچان کر اٹھا اور ایک قدم آگے بڑھا کر اس سے مصافحہ کیا۔ بوڑھے نے کمزور آواز میں کہا۔ میں مکتب میں آپ کو تلاش کرتا رہا، وہاں سے پتہ چلا کہ آپ یہاں آئے ہوئے ہیں۔

آپ نے بہت تکلیف اٹھائی، بیٹھے۔

بوڑھا ابن عامر کے قریب بیٹھ گیا۔

ابن عامر نے کہا۔ بڑی مدت کے بعد آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ کہیے کیسے آنا ہوا؟ بوڑھے نے کہا۔ مجھے آج کسی نے مسجد کے واقعات بتائے تھے۔ میں اس نوجوان کا متلاشی ہوں جس کی ہمت کے گیت آج بصرہ کے بچے بوڑھے سب گانے رہے ہیں۔ مجھے یہ پتہ چلا تھا کہ وہ عبدالرحمن کا بیٹا ہے۔ عبدالرحمن کا بات میرا بہت بہترین دوست تھا۔ اگر آپ کو وہ لڑکا ملے تو میری طرف سے اسے یہ چند چیزیں پیش کر دیں!

بوڑھے نے یہ کہہ کر گٹھڑی کھولی اور کہا۔ پرسوں ترکستان سے خبر آئی تھی کہ



عبیدہ شہید ہو چکا ہے۔

عبیدہ کون! آپ کا پوتا؟ ابنِ عامر نے سوال کیا۔

ہاں وہی! گھر پر اس کی یہ تلوار اور زرہ فالتو پڑی تھیں اب میرے گھرانے میں ان چیزوں کا حق ادا کرنے والا کوئی نہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ یہ کسی مجاہد کی نذر کر دی جائیں۔

ابنِ عامر نے نعیم کی طرف دیکھا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ کر اٹھا اور بوڑھے کے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ میں آپ کی قدر شناسی کا ممنون ہوں۔ اگر مجھ سے ہو سکا تو آپ کے اس تحفے کا بہترین استعمال کروں گا۔ آپ میرے لیے دُعا کریں!

آدھی رات کے قریب یہ مجلس ختم ہوئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ نعیم نے اپنے ماموں کے ساتھ جانا چاہا لیکن محمد بن قاسم نے اسے روک لیا۔

محمد بن قاسم نے اصرار پر سعید نے نعیم کو وہیں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ ابنِ عامر اور سعید کو رخصت کرنے لے لیے نعیم اور محمد بن قاسم گھر سے باہر نکلے اور کچھ دُوران کے ساتھ گئے۔ سعید کو ابھی تک نعیم کے ساتھ گھر کے متعلق کوئی بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے چلتے چلتے رُک کر سوال کر لیا:-

نعیم! گھر پر خیریت ہے؟

ہاں ماموں جان، وہ تمام بخیریت ہیں۔ امی جان۔۔۔۔۔! نعیم آگے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس نے خط نکالنے کے خیال سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ لیکن کچھ سوچ کر خالی ہاتھ جیب سے نکال لیا۔

ہاں ہمیشہ کیا کہتی تھیں؟

وہ آپ کو سلام کہتی تھیں ماموں جان!

باقی رات نعیم نے بستر پر کروٹیں بدلتے گزاردی۔ صبح سے کچھ دیر پہلے آنکھ لگ گئی۔ خواب میں اُس نے دیکھا کہ وہ بستی کے نخلستانوں کی دلفریب فضاؤں میں محبت کے نغمے بیدار کرنے والی محبوبہ سے کوسوں دُور سندھ کے وسیع میدانوں میں جنگ کے بھیانک مناظر کے سامنے کھڑا ہے۔

اگلے دن نعیم فوج کے ساتھ ایک سالار کی حیثیت سے روانہ ہو گیا۔ وہ ہر قدم پر آرزوؤں کی پرانی بستی کو روندتا اور امنگوں کی نئی دنیا بیدار کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ شام سے کچھ دیر پہلے یہ لشکر ایک اونچے ٹیلے پر سے گزر رہا تھا۔ اس مقام سے وہ نخلستان جس کی چھاؤں میں ہوزندگی کے بہترین سانس لے چکا تھا۔ نظر آنے لگا۔ اس کی جوان اور معصوم امیدوں کی بستی راستے سے فقط دو کوس کے فاصلہ پر ایک طرف کو تھی۔ جی میں آیا کہ گھوڑے کو سر پٹ چھوڑ کر ایک بار اس صحرائی حور سے چند الوداعی باتیں کہہ سن آئے۔ لیکن مجاہد کا ضمیر ان لطیف خیالات پر غالب آئے۔ اُس نے جیب سے خط نکالا پڑھا اور پھر جیب میں ڈال لیا۔

(۳)

گھر میں عبد اللہ اور نعیم کی آخری گفتگو سن کر لینے کے بعد عذرا کی خوشی کا اندازہ کرنا ذرا مشکل تھا۔ اس کی روح مسرت کے ساتویں آسمان پر رقص کر رہی تھی۔ ساری رات جاگنے کے باوجود اس کا چہرہ معمول سے زیادہ ہشاش تھا۔ مایوسی کے آگ میں جلنے کے بعد نخل امید کا یکا یک سرسبز ہو جانا قدرت کا سب سے بڑا

عذرا آج عبداللہ کے احسان کے بوجھ تلے دبی جا رہی تھی اور اگر اس مسرت میں کوئی خیال رخنہ اندازی کر رہا تھا تو یہ تھا کہ یہ خوشی عبداللہ کی شرمندہ احسان تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ عبداللہ کا یہ ایثار فقط نعیم کے لیے نہ تھا بلکہ ان دونوں کے لیے تھا۔ اس کی محبت کس قدر بے لوث تھی۔ اس کے دل کو کس قدر صدمہ پہنچا ہوگا؟ کاش وہ اسے یہ صدمہ نہ پہنچاتی۔ کاش اسے نعیم سے اس قدر محبت نہ ہوتی اور وہ عبداللہ کا دل نہ توڑتی۔ ایسے خیالات سے اُچھلتا ہوا دل بیٹھ جاتا لیکن دل کے ساز پر غم کی ہلکی ہلکی تانیں مسرت کے راگ کے زیر و بم میں دب کر رہ جاتیں۔

عذرا کا خیال تھا کہ نعیم شام سے پہلے واپس آجائے گا۔ اس نے انتظار کا دن بڑی مشکل سے کاٹا۔ شام ہوئی لیکن نعیم واپس نہ آیا۔ جب شام کا دھند لگا شب کی تاریکی میں تبدیل ہونے لگا اور آسمان کی روائے سیاہ پر تاروں کے موتی جگمگانے لگے۔ عذرا کی بے چینی بڑھنے لگی۔ آدھی رات گزر گئی تو عذرا شب غم کو صبح امید کا سہارا دے کر کروٹیں لیتی ہوئی سو گئی۔ دوسرا دن اس نے زیادہ بے چینی سے گزارا اور آنے والی رات گزشتہ رات سے زیادہ طویل نظر آئی۔

صبح گزری، شام آئی، لیکن نعیم واپس نہ آیا شام کے وقت عذرا گھر سے نکلی اور کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے پر چڑھ کر نعیم کی راہ دیکھنے لگی۔ بصرہ کے راستے پر ہر بار تھوڑی بہت گرد اڑنے پر نعیم کی آمد کا شک ہوتا لیکن ہر بار یہ وہم غلط ثابت ہونے پر وہ دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر رہ جاتی۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر کئی سوار گزرے۔ ہر سوار دُور اسے اسے نعیم نظر آتا لیکن قریب سے دیکھنے پر وہ اپنا سامنہ لے کر رہ جاتی۔ شام کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چرواہے اپنے گھروں کو واپس آرہے تھے۔

درختوں پر چھپھانے والے پرندے اپنے ہم جنسوں کو شب کی آمد کا پیغام سنا رہے تھے۔ عذرا گھر کی طرف لوٹنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ کہ پیچھے سے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو عبد اللہ آ رہا تھا۔ عذرا نے حیا اور ندامت سے آنکھیں جھکا لیں۔ عبد اللہ چند قدم آگے بڑھا اور بولا:

عذرا گھر چلو۔ فکر نہ کرو وہ جلد آ جائے گا۔ بصرہ میں کئی بڑے آدمی اس کے دوست ہیں کسی نے اسے زبردستی روک لیا ہوگا۔

عذرا کچھ کہے بغیر گھر کی طرف چل دی۔ اگلے دن بصرہ سے ایک آدمی آیا اور اس کی زبانی معلوم ہوا کہ نعیم سندھ کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ یہ خبر موصول ہونے پر صابرہ، عبد اللہ اور عذرا کے دل میں کئی خیالات پیدا ہوئے۔ صابرہ اور عبد اللہ کو شک گزرا کہ اس کی خودداری نے بھائی کا احسان مند ہونا گوارا نہیں کیا۔ عذرا کے شکوک ان سے مختلف تھے۔ عبد اللہ کے یہ الفاظ کہ بصرہ میں کئی بڑے بڑے آدمی اس کے دوست ہیں۔ کسی نے زبردستی روک لیا ہوگا۔ اس کے دل پر گہرا اثر پیدا کر چکے تھے۔ وہ بار بار اپنے دل سے یہ کہتی۔ نعیم کے حسن اور بہادری کی شہرت نے بڑے بڑے آدمیوں کو اس کا گرویدہ بنالیا ہوگا۔ وہ اس سے تعلقات پیدا کرنا اپنے لیے باعثِ فخر خیال کرتے ہوں گے۔ بصرہ میں شاید ہزاروں حسین اور عالی نسب لڑکیاں اس پر فدا ہوں گی۔ آخر مجھ میں ایسی کوئی خوبی ہے جو اسے کسی اور کا ہو جانے سے منع کر سکتی ہے۔ اگر اسے ضرور جہاد پر جانا تھا تو مجھ سے مل کو کیوں نہ گیا۔! آخر گھر میں کون تھا جو اسے اس کا رخیر سے روکتا۔ شاید بستی میں اس کے پریشان رہنے کی وجہ میں نہ تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی اور کے ساتھ محبت جوڑ چکا ہو۔ لیکن نہیں! یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ نعیم میرا نعیم۔۔۔ ایسا نہیں۔ وہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا اور اگر دے



بھی تو مجھے گلہ کرنے کا کیا حق ہے۔

(۴)

اس زمانے میں دہل سندھ کا ایک مشہور شہر تھا۔ سندھ کے راجہ کو شہر کی چار دیواری پر اتنا بھروسہ تھا کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کے بجائے اپنی بے شمار افواج کے ساتھ شہر کے اندر پناہ گزین ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر کے منہجق سے پتھر برسائے شروع کیے لیکن کئی دنوں کی سخت محنت کے باوجود مسلمان شہر پناہ توڑنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ آخر ایک دن ایک بھاری پتھر بدھ کے ایک مندر پر آگرا اور اس کا سنہری گنبد ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑا اور اس کے ساتھ ہی بدھ کا ایک مجسمہ چکنا چور ہو گیا۔ اس بت کے ٹوٹ جانے کو راجہ داہرنے اپنی لیے براشگون خیال کرتے ہوئے بدحواس ہو گیا اور رات کے وقت اپنی فوج کے ساتھ بھاگ نکلا اور برہمن آباد پہنچ کر دم لیا۔ دہل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نیروں کی طرف بڑھا۔ نیروں کے باشندوں نے لڑائی سے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیے۔

نیروں پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے بھروچ اور سیوستان کے مشہور قلعے فتح کیے راجہ داہرنے برہمن آباد پہنچ کر چاروں طرف ہرکارے دوڑائے اور باقی ہندوستان کے راجوں مہاراجوں سے مدد طلب کی۔ اس کی اپیل پر دو سو ہاتھوں کے علاوہ تقریباً پچاس ہزار سوار اور کئی پیادہ سے مزید جمع ہو گئے۔ راجہ داہر اس لشکر جرار کے ساتھ برہمن آباد سے باہر نکلا۔ اور دریائے سندھ کے کنارے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ ڈال کر محمد بن قاسم کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

محمد بن قاسم نے کشتیوں کا پل بن کر دریائے سندھ کو عبور کیا اور ۱۹ جون ۱۲۱۷ء

کی شام محمد بن قاسم کی فوج نے راجہ کی قیام گاہ سے دو کوس فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ علی الصبح ایک طرف ناتوس اور گھنٹوں کی آواز اور دوسری طرف سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور دونوں شکر اپنے اپنے ملک کے جنگی قواعد کے مطابق منظم ہو کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔

محمد بن قاسم نے فوج کو پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم کر کے پیش قدمی کا حکم دیا۔ اور سندھ کی فوج کے ہراول میں دو سو ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے آگے بڑھے اور مسلمانوں کے گھوڑے بدک کر پیچھے ہٹنے لگے۔ محمد بن قاسم نے یہ دیکھ کر فوج کو تیر برسانے کا حکم دیا۔ ایک ہاتھی مسلمانوں کی صفیں روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ محمد بن قاسم نے اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھنا چاہا لیکن اس کے گھوڑے سے اُتر ا اور آگے بڑھ کر ہاتھی کی سوئڈ کاٹ ڈالی۔ نعیم اور سعید نے اس کی تقلید کی اور دو اور ہاتھیوں کی سوئڈیں کاٹ ڈالیں۔ زخم خوردہ ہاتھی واپس مڑے اور اپنی فوجوں کو روندتے ہوئے نکل گئے۔ باقی ہاتھی تیروں کی بارش میں آگے نہ بڑھ سکے اور زخمی ہو ہو کر سندھ کے لشکر کی صفیں درہم برہم کرنے لگے۔ اس موقع کو غنیمت جان کر محمد بن قاسم نے اگلی صفوں کو آگے بڑھنے اور پچھلے دستوں کو چکر کاٹ کر دشمن کو تین اطراف سے گھیر لینے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے جان توڑ حملے نے دشمن کی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیے۔ سعید چند جاں فروشوں کے ساتھ حریف کی صفیں توڑتا ہوا قلب لشکر تک جا پہنچا۔ نعیم نے اپنے بہادر ماموں سے پیچھے رہنا گوارا نہ کیا اور وہ بھی نیزے سے اپنا راستہ صاف کرتا ہوا ماموں کے قریب جا پہنچا راجہ داہرا اپنی فوجوان رانیوں کے درمیان ایک ہاتھی ہر سنہر ہو وچ میں بیٹھا و ہا لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس کے آگے چند بجاری ایک بت اٹھائے بھجن گارہے تھے۔ سعید نے کہا۔ یہ بت ان کا

آخری سہارا ہے، اسے توڑ ڈالو۔

نعیم نے ایک بجاری کے سینے میں تیر مارا اور وہ کلیجے پر ہاتھ رکھ کر نیچے گر پڑا۔ دوسرا تیر ایک پجاری کو لگا اور وہ بُت کو میدان میں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ یہ بُت واقعی ان کا آخری سہارا ثابت ہوا۔ تمام فوج میں ہل چل مچ گئی۔ سعید سخت زخمی ہونے کے باوجود آگے بڑھتا گیا۔ اس نے راجہ داہر کے ہاتھی پر حملہ کیا لیکن راجہ داہر کے جاں نثار اس ارد گرد جمع ہو گئے۔ اور سعید ان کے زرخے میں آ گیا۔ سعید سخت زخمی ہونے کے باوجود آگے بڑھتا گیا۔ اس نے راجہ داہر کے ہاتھی پر حملہ کیا لیکن راجہ داہر کے جاں نثار اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور سعید ان کے زرخے میں آ گیا۔ سعید کو اس طرح گھرا ہوا دیکھ کر نعیم نے بھوکے شیر کی طرح حملہ کیا اور دشمن کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سعید کی جستجو میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن وہ نظر نہ آیا۔ اچانک اس کا خالی گھوڑا ادھر ادھر بھاگتا دکھائی دیا۔ نعیم نے نیچے لاشوں کے ڈھیر کی طرف دیکھا۔ سعید دشمن کی کئی لاشوں کے اوپر منہ کے بل پڑا ہوا تھا۔ نعیم نے گھوڑے سے اتر کر ماموں کے سر کو سہارا دے کر اوپر کیا۔ ماموں جان! کہہ کر پکارا لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کہہ کر پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ راجہ داہر کا ہاتھی اس سے زیادہ دُور نہ تھا لیکن ابھی تک غیر منظم سپاہیوں کا ایک گروہ اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے کھڑا تھا۔

نعیم نے ایک بار پھر کمان اُٹھائی اور راجہ کی طرف تیر برسانے لگا۔ ایک تیر راجہ کے سینے میں لگا اور اس نے نیم نکل ہو کر اپنا سر ایک رانی کی گود میں رکھ دیا۔ راجہ کے قتل کی خبر مشہور ہوتے ہی سندھ کا لشکر میدانِ جنگ میں لاشوں کا انبار چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ان شکست خوردہ سپاہیوں میں سے بعض نے برہمن آباد اور بعض نے

ارور کا رخ کیا۔

اس عظیم فتح کے بعد مسلمانوں کی مرہم پٹی اور شہیدوں کی تجھز و تکفین میں مصروف ہو گئے۔ سعید کی نعش پر زخموں کے بیس سے زیادہ نشانات تھے۔ جب اس لحد میں رکھا گیا تو نعیم نے اپنی جیب سے بھائی کا خط نکالا اور لحد کے اندر پھینک دیا۔

محمد بن قاسم نے حیران ہو کر پوچھا۔ یہ کیا ہے؟

ایک خط۔ نعیم نے مغموم لہجے میں کہا۔

کیسا خط؟

مجھے عبد اللہ نے دیا تھا۔ میں نہیں یہ خط پہنچانے کا وعدہ کر کے آیا تھا لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ میں اپنا وعدہ پورا کر سکتا۔

میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟ محمد بن قاسم نے پوچھا۔

اس میں کوئی خاص بات نہیں۔

محمد بن قاسم نے جھک کر لحد سے خط نکالا۔ پڑھا اور نعیم کو واپس کرتے ہوئے کہا: اسے اپنے پاس رکھو۔ شہیدوں کی نگاہ سے دنیا اور آخرت کی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہوتی۔ محمد بن قاسم سے نعیم کی زندگی کا کوئی راز پوشیدہ نہ تھا۔ نعیم کے لیے عبد اللہ کا ایثار اور خدا کی راہ میں نعیم کی یہ شاندار قربانی دیکھ کر اس کے دل میں ان دونوں بھائیوں کے لیے پہلے سے زیادہ گہری محبت پیدا ہو گئی۔

رات کے وقت محمد بن قاسم نے سونے سے پہلے نعیم کو اپنے خیمے میں بلایا اور



ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد کہا۔ اب ہم چند دنوں تک برہمن آباد فتح کر کے ملتان کا رخ کریں گے۔ وہاں شاید ہمیں زیادہ افواج کی ضرورت پڑے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ تمہیں واپس بصرہ بھیج دیا جائے۔ وہاں تم زیادہ افواج مہیا کرنے کے لیے تقریریں کرو۔ راستے میں اپنے گھر سے بھی ہوتے جانا اور انہیں تسلی دینا۔

جہاں تک ان کی تسلی کا تعلق ہے۔ میں اسے جہاد سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ رہا مزید بھرتی کا سوال، تو آج کے معرکے نے ثابت کر دیا ہے کہ سندھ کے لیے مزید افواج کی ضرورت نہیں۔

لیکن میرا ارادہ فقط سندھ فتح کرنے تک محدود نہیں۔

لیکن ایک دوست کی حیثیت میں مجھ پر آپ کا یہ احسان غیر ضروری ہوگا۔  
کیسا احسان؟ محمد بن قاسم نے پوچھا۔

آپ مجھے بصرہ بھیجنے کے بہانے گھر جانے کا موقع دینا چاہتے ہیں اور اسے ایک احسان سمجھتا ہوں۔

محمد بن قاسم نے کہا۔ اگر یہ احسان میرے یا تمہارے فرائض سے ٹکڑا کھاتا ہو تو میں تمہیں کبھی اجازت نہ دوں۔ لیکن فی الحال تمہاری اس جگہ کوئی ضرورت نہیں کیونکہ برہمن آباد فتح کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس کے بعد ادھر ادھر کی معمولی ریاستوں کی سرکوبی کے بعد ہم ملتان کا رخ کریں گے۔ تم اس وقت تک آسانی سے واپس آ جاؤ گے اور تمہارے ساتھ آنے والے تھوڑے بہت سپاہی ہماری طاقت میں کافی اضافہ کر سکیں گے۔

اچھا! پھر مجھے کب جانا چاہیے؟

جس قدر جلدی ہو سکے۔ اگر تمہارے زخم تمہیں سفر کی اجازت دے سکیں تو کل ہی روانہ ہو جاؤ!

محمد بن قاسم کے ان الفاظ کے بعد نعیم بظاہر وہیں بیٹھا تھا لیکن اس کے خیالات اسے سندھ کی سرزمین سے ہزاروں میل دور لے جا چکے تھے۔

علی الصباح ہووا پس بصرہ کا رخ کر رہا تھا۔

(۵)

سندھ میں مسلمانوں کی فتوحات کے حالات سے حجاج بن یوسف کو ہر وقت باخبر رکھنے کے لیے محمد بن قاسم نے سندھ سے لے کر بصرہ تک دس دس کوس کے فاصلے پر سپاہیوں کی چوکیاں مقرر کر دی تھیں۔ ان چوکیوں پر ڈاک رسانی کی غرض سے نہایت تیز رفتار گھوڑے رکھے گئے تھے۔

نعیم علی الصباح سندھ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ ہر چوکی پر گھوڑا بدلتا ہوا دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر رہا تھا۔ رات کے وقت اس نے ایک چوکی پر قیام کیا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے اسے جلد نیند آ گئی۔ آدھی رات کے قریب سندھ کی طرف سے ایک اور سواری آمد نے نعیم اور چوکی کے سپاہیوں کو جگا دیا۔ سوار لباس سے ایک مسلمان سپاہی معلوم ہوتا تھا۔ وہ چوکہ پر پہنچتے ہی اپنے گھوڑے سے اتر اور کہنے لگا:

میں بصرہ میں ایک نہایت ضروری خبر لے کر جا رہا ہوں۔ دوسرا گھوڑا فوراً تیار

کرو!

نعیم کو سندھ کے ہر معاملے سے دلچسپی تھی۔ اس نے اُٹھ کر مشعل کی روشنی میں  
نوار کو دیکھا۔ وہ گندمی رنگ کا ایک قوی ہیکل نوجوان تھا۔

تم محمد بن قاسم کا پیغام لے کر جا رہے ہو؟

ہاں۔

کیا پیغام ہے؟

مجھے کسی کو بتانے کی اجازت نہیں۔

مجھے جانتے ہو؟

ہاں آپ ہماری فوج کے ایک سالار ہیں لیکن معاف کیجئے اگرچہ آپ کو بتانے  
میں کوئی ہرج نہیں۔ تاہم مجھے سپہ سالار کا حکم ہے کہ حجاج بن یوسف کے سوا یہ پیغام  
کسی کو نہ دیا جائے۔

میں تمہاری اس فرض شناسی کی قدر کرتا ہوں۔ نعیم نے کہا۔

اتنی دیر میں دوسرا گھوڑا تیار ہو گیا اور نووارد اس پر سوار ہو کر آن کی آن میں  
رات کو تاریکی میں غائب ہو گیا۔

چند دنوں کے بعد نعیم اپنے سفر کا تین چوتھائی حصہ طے کر کے ایک دلکش  
وادی میں سے گزر رہا تھا۔ اسے راستے میں پھر وہی سوار نظر آیا۔ نعیم نے اس غور سے  
دیکھنے پر پہچان لیا۔ اس نے نعیم کے قریب آنے پر گھوڑا روک لیا اور کہا:

آپ بہت تیز رفتار سے آئے۔ میرا خیال تھا کہ آپ بہت پیچھے رہ جائیں

گے!

آپ بھی بصرہ جا رہے ہیں؟

ہاں، نعیم نے جواب دیا۔ اگر تم اس دن تھوڑی دیر کے لیے میرا انتظار کر لیتے تو سارا سفر اکٹھے رہتے۔

میرا خیال تھا کہ آپ ذرا آرام سے سفر کریں گے، اب میں آپ کے ساتھ رہوں گا چلیے!

میرا خیال ہے کہ تم ان راستوں سے زیادہ واقف ہو؟

ہاں! میں اس ملک میں بہت دیر رہ چکا ہوں۔

چلو پھر آگے تم چلو!

اجنبی نے گھوڑا آگے کر کے سرپٹ چھوڑ دیا اور نعیم نے بھی اس کی تھلید کی۔

کچھ دیر کے بعد نعیم نے سوال کیا۔ ہم دوسری چوکی پر ابھی تک کیوں نہ پہنچے؟  
کہیں ہم راستہ تو نہیں بھول گئے؟

نعیم کے ساتھی نے گھوڑا روکا اور پریشان سا ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ بالآخر اس نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے لیکن آپ فکر نہ کریں۔ ہم اس وادی کو عبور کرنے کے بعد صحیح راستہ معلوم کر لیں گے۔ یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایر لگا دی۔ چند کوس اور طے کرنے کے بعد اجنبی نے گھوڑا پھر روک لیا اور کہا۔ شاید ہم صحیح راستے سے بہت دُور ایک طرف نکل آئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ راستہ شیراز کی طرف جاتا ہے۔



ہمیں اب بائیں طرف مڑنا چاہیے۔ لیکن گھوڑے بہت تھک گئے ہیں۔ یہاں تھوڑی دیر آرام کر لیں تو بہتر ہوگا۔ یہ سرسبز اور شاداب خطہ کچھ ایسا جاذب نگاہ تھا کہ نعیم کے تھکے ہوئے جسم نے بے اختیار تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے اجنبی کی تائید کی۔ دونوں سوار نیچے اترے۔ گھوڑوں کو ایک چشمہ سے پانی پلا کر درخت کے ساتھ باندھ دیا اور سرسبز گھاس پر بیٹھ گئے۔

اجنبی نے اپنا تھیلہ کھولتے ہوئے کہا۔ آپ کو بھوک تو ضرور ہوگی؟ میں تو پچھلی چوکی سے پیٹ بھر لیا تھا۔ یہ تھوڑا سا کھانا شاید آپ کے لیے بچ گیا تھا۔

اجنبی کے اصرار پر نعیم نے روتی اور پیئر کے چند ٹکڑے کھائے اور چشمہ سے پانی پی کر گھوڑے پر سوار ہونا چاہا لیکن دماغ میں غنودگی سی محسوس کرنے کے بعد گھاس پر لیٹ گیا۔

میرا سر چکر رہا ہے۔ اس نے کہا۔

اجنبی نے کہا۔ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر آرام کر لیں!

نہیں دیر ہو جائے گی۔ ہمیں چلنا چاہیے۔ نعیم یہ کہہ کر اٹھا لیکن ڈمگاتے ہوئے چند قدم چلنے کے بعد پھر زمین پر بیٹھ گیا۔

اجنبی نے اس کی طرف دیکھ کر ایک مہیب تہقہ لگایا۔ نعیم کے دل میں فوراً یہ خیال آیا کہ اسے کھانے میں کوئی نشہ آور شے دی گئی ہے۔ ساتھ ہی اسے یہ محسوس ہوا کہ وہ کسی خطرناک مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے۔ اس نے ایک بار پھر اٹھنا چاہا لیکن ہاتھ پاؤں جواب دے چکے تھے۔ اس کے دماغ پر گہری نیند کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ اس نے نیم بیہوشی کی حالت میں محسوس کیا کہ چند آدمی اس کے ہاتھ

پاؤں باندھ رہے ہیں۔ اس نے ان کی کہنی گرفت سے آزاد ہونے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے لیکن اس کی جدوجہد بے سود تھی۔ وہ قریباً بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اسے صرف اس بات کا معمولی سا ہوش تھا کہ چند آدمی اسے اٹھا کر کسی طرف لے جا رہے ہیں۔

اگلے دن نعیم کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایک تنگ کوٹھڑی میں پایا اور وہی اجنبی جو اسے فریب دے کر یہاں تک لایا تھا۔ اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ نعیم نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور سوال کیا۔ مجھے یہاں لانے سے تمہارا کیا مقصد ہے اور میں کس کی قید میں ہوں؟

وقت آنے پر شخصیں تمام سوالات کا جواب مل جائے گا۔

اجنبی یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

(۶)

نعیم کو قید ہوئے تین مہینے گزر گئے۔ اس کی مایوسی قید خانے کی کوٹھڑی کی بھیانک تاریکی میں اضافہ کر رہی تھی۔ اس ناگفتہ بہ حالت میں اس کے لیے فقط یہ خیال تسلی بخش تھا کہ خدا کو اس کے صبر کا امتحان مقصود ہے۔ ہر صبح و شام ایک شخص آیا اور قید خانہ کی دیوار میں ایک چھوٹے سے سوراخ کے راستے کھانا دے کر چلا جاتا۔

نعیم کئی بار پوچھتا۔ مجھے قید کرنے والا کون ہے؟ مجھے کس لیے قید کیا گیا ہے؟

لیکن ان سوالات کا کوئی جواب نہ ملتا۔ تین مہینے گزر جانے کے بعد نعیم ایک صبح بارگاہِ الہی میں سرسجود دعا مانگ رہا تھا کہ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور وہی اجنبی اپنے

چند ساتھیوں کے ساتھ نمودار ہوا۔ اس نے نعیم سے مخاطب ہو کر کہا:

اُٹھو اور ہمارے ساتھ چلو!

کہاں؟ نعیم نے سوال کیا۔

کوئی تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔

نعیم ننگی تلواروں کے سایہ میں ان کے ساتھ ہولیا۔

قلعہ کے ایک خوشنما کمرے میں ایک ایرانی قالین پر چند نوجوانوں کے درمیان ایک عمر رسیدہ شخص بیٹھا تھا۔ نعیم نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ اس کا  
صادق تھا۔

## اسیری

ابن صادق کی گزشتہ زندگی ناکامیوں کی ایک طویل داستان تھی۔ وہ یروشلم کے ایک متمول یہودی گھرانے میں پیدا ہوا۔ ذہین ہونے کے باعث اس نے سولہ برس کی عمر میں ہی عربی، فارسی، یونانی اور لاطینی میں غیر معمولی استعداد پیدا کر لی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اسے ایک عیسائی لڑکی مریم سے محبت ہو گئی اور وہ اس کے والدین کو شادی پر رضامند کرنے کے لیے عیسائی ہو گیا۔ لیکن مریم کچھ عرصے کے بعد ابن صادق کی دلجوئی کرنے کے بعد اس کے چچا زاد بھائی الیاس پر فریفتہ ہو کر اس سے نفرت کرنے لگی۔ ابن صادق نے بہت کوششوں کے بعد مریم کے والدین کو شادی پر رضامند کر لیا۔ لیکن وہ ایک دن موقع پا کر اپنے نئے عاشق کے ساتھ فرار ہو گئی اور دمشق پہنچ کر اس سے شادی کر لی۔ مریم کی محبت اور اخلاق سے متاثر ہو کر الیاس نے بھی عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔

الیاس ایک بلند پایہ معمار تھا۔ اس نے دمشق میں معقول آمدنی کی صورت پیدا کر لی اور وہیں مکان بنا کر زندگی گزارنے لگا۔ ایک سال کے بعد الیاس کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام زلیخا رکھا گیا۔

ابن صادق کو سخت جستجو کے بعد ان کا پتہ چلا۔ وہ دمشق پہنچا۔ وہاں محبوبہ اور بھائی کو عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے دیکھ کر اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ چند دن وہ دمشق کے گلی کوچوں کی خاک چھانتا رہا۔ بالآخر اسلام قبول کر کے دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ مریم پر اپنے حقوق جتا کر درخواست کی کہ وہ الیاس سے چھین کر اسے دلائی جائے۔ وہاں سے حکم ملا کہ یہودی اور عیسائی ہماری امان



میں ہیں۔ چونکہ مریم نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے اس لیے اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اب یہ قسمت کا مارا نہ یہودی تھا، نہ عیسائی نہ مسلمان۔ چاروں طرف کی مایوسی دل میں انتقام کی آگ کو ٹھنڈا نہ کر سکی۔ دمشق کی خاک چھاننے کے بعد یہ کوفہ میں حجاج بن یوسف کے پاس پہنچا اور اسے اپنی سرگزشت سنا کر مدد کی درخواست کی۔ حجاج نے خاموشی سے اس کی سرگزشت سنی۔ ابن صادق نے اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر اس کی تعریف کی اور دربار خلافت کی مذمت میں چند فقرے کہہ ڈالے۔

اس نے کہا۔ اگر آپ میرے دل سے پوچھیں تو میں کہوں گا کہ ذاتی قابلیت کے اعتبار سے آپ مسند خلافت کے زیادہ حقدار ہیں ابھی ابن صادق کے فقرے کے آخری الفاظ ختم بھی ہوئے تھے کہ حجاج نے ایک سپاہی کو آواز دی اور حکم دیا کہ اسے دھکے دے کر شہر سے نکال دو اور ابن صادق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تمھاری سزا قتل تھی لیکن میں اس لیے درگزر کرتا ہوں کہ تم میرے ہاں ایک مہمان کی حیثیت سے آئے ہو۔

ابن صادق شام کے وقت شہر سے نکلا اور رات ایک راہب کے جھونپڑے میں پناہ لے کر علی الصبح خطرناک عزائم کے ساتھ یروشلم کی طرف روانہ ہوا۔ وہ یروشلم میں بھی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ چند سال تک وہ اپنے بھائی اور محبوبہ کے علاوہ تمام دنیا کے خلاف جذبہ انتقام لیے مارا مارا پھرتا رہا۔ بالآخر اس نے اپنے ساتھ شر پسندوں کی ایک خطرناک جماعت پیدا کر لی اور ایک زبردست سازش کے ارادے سے انہیں تمام ملک میں پھیلا دیا۔ وہ اس مختصر جماعت کا روحانی پیشوا بن بیٹھا۔ ایک دن اسے اپنے چچا زاد بھائی سے انتقام لینے کا موقع ملا اور وہ اس کی اکلوتی بیٹی

زینجا کو اغوا کر لایا۔ زینجا کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی۔ ابن صادق اسے لے کر ایران کی طرف بھاگا اور مدائن میں اپنی جماعت کے اسحق نامی ایک شخص کے سپرد کر کے پھر اپنے تخریبی مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہو گیا۔ دو ماہ بعد اس کی جماعت کے خفیہ کارکنوں نے الیاس اور مریم کو قتل کر ڈالا۔ اس نے اس سفاکانہ قتل کے بعد بھی بس نہ کی اور اپنی بقیہ زندگی کو تمام دنیا کے لیے خطرناک بنانے کی ٹھان لی۔ عالم اسلام میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی سب سے وہ حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا۔ چند خارجیوں اور اسلام کے دشمنوں نے اس کے ساتھ بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے مقاصد کی تکمیل کے راستے میں مالی مشکلات حائل تھیں۔ اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی اور وہ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا ہوا قیصر روم کے دربار میں حاضر ہوا۔

قیصر اگرچہ مشرق میں اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تاہم ابھی تک اُس کے دل میں اپنے آباؤ اجداد کی شکستوں کی یاد تازہ تھی۔ اس نے ابن صادق کے ساتھ کھلے طور پر شریک عمل ہونے کی ہجرات نہ کی لیکن مسلمانوں کے اس حد تک خطرناک دشمن کی حوصلہ افزائی ضروری خیال کی۔ اس نے ابن صادق سے کہا۔ ہم تمہاری ہر ممکن طریقے سے مدد کریں گے لیکن جب تک مسلمان ایک ہیں، ہم ان پر حملہ کرنا خلاف مصلحت سمجھتے ہیں۔ تم واپس جا کر اپنا کام جاری رکھو، ہم تمہاری خدمات کا خیال رکھیں گے۔

ابن صادق وہاں سے سونا چاندی اور جواہرات کے گراں بہا تحائف لے کر واپس آیا اور کوفہ و بصرہ کے درمیان ایک گمنام مقام کو اپنی قیام گاہ بنا کر اپنا تخریبی کام شروع کر دیا۔ حجاج کے خوف سے اس نے کئی سال تک اپنے خیالات کے اعلان کی

جرات نہ کی اور اپنی تمام کوششوں کو اس کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے ہر ممکن احتیاط سے کام لیا۔ چند برس کے سر توڑ کوشش اور محنت سے اس نے ایک ہزار اشخاص کی جماعت تیار کر لی۔ اس جماعت کے اکثر افراد ایسے تھے جن کا ضمیر وہ سونے اور چاندی کے عو غ خرید چکا تھا۔ وہ قیصر روم کو اپنی خدمات سے باخبر رکھتا اور وہاں سے حسب ضرورت مدد منگوا لیتا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی جماعت قدرے طاقتور ہو گئی ہے اور کوفہ و بصرہ کے اکثر لوگ حجاج سے نفرت کرتے ہیں تو اپنے مد مقابل پر آخری ضرب لگانے کے لیے تیار ہو بیٹھا۔ ایک دن اس کے جاسوسوں نے اسے خبر دی کہ آج حجاج کوفہ میں گیا ہے اور ابن عامر فوجی بھرتی کے لیے تقریر کرنے والا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ بصرہ کے اکثر لوگ فوج میں بھرتی ہونے سے کتراتے ہیں ابن صادق نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور پہلی مرتبہ اپنے گوشے سے نکل کر اہل بصرہ کے عام جلسے میں حصہ لینے کی جرات کی۔ اسے یقین تھا کہ وہ بصرہ کے غیر مطمئن لوگوں کو اپنی جادو بیانی سے مشتعل کرنے میں کامیاب ہوگا لیکن اس کا یہ وہم غلط ثابت ہوا۔ نعیم نے اچانک نمودار ہو کر اس کا ہنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔

ابن صادق بصرہ سے دُ م دبا کر بھاگا اور رملہ جا کر خلیفہ کے بھائی سلیمان کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ ایک ہزار کی جماعت میں سے صرف چند آدمیوں نے اس کا ساتھ دیا۔

چونکہ حجاج بن یوسف، سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کرنے میں خلیفہ کا ہم خیال تھا۔ اس لیے سلیمان حجاج اور اس کے ساتھیوں کو اپنے بدترین دشمن اور حجاج کے دشمنوں کو اپنا دوست خیال کرتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے ابن صادق کی فتنہ پر

دازی سے واقف ہوتے ہی اس کا تعاقت میں سپا ہی روانہ کیے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سلیمان رملہ میں اسے پناہ دے چکا ہے تو خلیفہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ دربار خلافت سے سلیمان کے نام یہ حکم صادر ہوا کہ ابن صادق اور اس کے ساتھیوں کو پابہ زنجیر حجاج بن یوسف کے پاس روانہ کیا جائے! سلیمان، ابن صادق کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا چکا تھا اور اس کی جان بچانا چاہتا تھا۔ اس نے ابن صادق کو اصفہان کی طرف بھگا دیا اور دربار خلافت کو لکھ بھیجا کہ ابن صادق رملہ سے فرار ہو گیا ہے۔ چند روز اصفہان کی خاک چھاننے کے بعد ابن صادق نے شیراز کا رخ کیا۔ شیراز سے پچاس کوس کے فاصلہ پر جنوب مشرق کی طرف پہاڑوں کے درمیان پُرانے زمانے کا ایک غیر آباد قلعہ تھا۔ ابن صادق نے اس قلعے میں پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا اور اپنی تازہ مصیبتوں کی ذمہ داری نعیم پر عائد کرتے ہوئے اسے ایک عبرتناک سزا دینے کا منصوبہ باندھنے لگا۔

(۲)

نعیم ابن صادق کے سامنے خاموشی سے کھڑا تھا۔ ایک سپا ہی نے اچانک اسے دھکا دے کر منہ کے بل زمین پر گرا دیا اور کہا۔ بیوقوف! یہ بصرہ کی مسجد نہیں۔ اس وقت تم ہمارے امیر کے دربار میں کھڑے ہو۔ یہاں گستاخوں کے سر قلم کیے جاتے ہیں!

یہ کہہ کر ابن صادق اپنی جگہ سے اٹھا اور نعیم کو بازو کا سہارا دے کر کھڑا کیا۔ فرش پر گرنے سے نعیم کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ ابن صادق نے اپنے رومال سے اس کا منہ پونچھا اور اس کی طرف ایک حقارت آمیز تبسم کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے سنا ہے آپ اپنے میزبان کا نام نہایت بے قراری سے پوچھتے رہے



ہیں۔ افسوس آپ کو بہت دیر انتظار کرنا پڑا۔ میری بھی خواہش تھی کہ بہت جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کروں لیکن فرصت نہ ملی۔ آج آپ سے مل کر جو مسرت میرے دل کو ہوئی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی ایک پرانے دوست سے مل کر بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ کہیے طبیعت کیسی ہے؟

آپ کا رنگ بہت زرد ہو رہا ہے۔ میرے خیال میں اس کوٹھڑی کی تنگی اور تاریکی میں آپ کی مجاہدانہ طبیعت بہت پریشان ہوئی ہوگی۔ لیکن آپ شاید نہیں جانتے کہ اس چھوٹے سے قلعے میں کوئی بڑی کوٹھڑی نہیں۔ اس لیے میرے آدمی آپ کو وہیں رکھنے پر مجبور تھے۔ آج میں تھوڑی دیر کے لیے آپ کو اس لیے باہر نکالا ہے کہ آپ روشنی اور تاریکی میں امتیاز کرنے والی حص سے عاری نہ ہو جائیں۔ لیکن آپ تو میری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے میں کوئی اجنبی ہوں۔ پہچانتے نہیں آپ مجھے؟ آپ سے میرا تعارف بصرہ میں ہوا تھا۔ اگرچہ ہماری پہلی ملاقات نہاتے ناخوشگوار حالات میں ہوئی تھی۔ تاہم ہمارے تعلقات اس دن سے کچھ ایسے نہیں کہ ایک دوسرے کو بھول سکیں۔ مجھے بڑی مشکل سے آپ کی اس تقریر کی داد دینے کا موقع ملا ہے اور مجھے آپ جیسے غیور مجاہد کو عبد اللہ بن اُبی کے جانشین کے سامنے اس طرح کھڑے دیکھ کر بہت رحم آتا ہے۔ بتائیے، آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

ابن صادق کا ہر لفظ نعیم کے دل پر تیر و نشتر کا کام کر رہا تھا۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ مجھے اپنے اسیر ہونے کا گم نہیں۔ لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ ہم تم جیسے بزدل اور کمینے شخص کی قید میں ہوں۔ اب جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ میری زندگی اور موت دونوں تمہارے لیے خطرناک ہیں اس وقت میرے ہاتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں مگر اسیری مجاہد کو بزدل نہیں بنا سکتی۔



ابن صادق نے نعیم کے سخت الفاظ سے بے پروائی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔  
تم بہادر ہونے کے ساتھ بیوقوف بھی ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارا سر اس وقت ایک  
اڑدہا کے منہ میں ہے۔ تمہیں نگل جانا یا چھوڑ دینا اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ میری قید  
سے آزاد ہونے کا خیال بھی دل سے نکال دو۔ اس قلعہ میں دو سو سپاہی ہر وقت ننگی  
تلواروں کے ساتھ تمہاری نگرانی کے لیے موجود رہتے ہیں۔ یہ کہہ کر ابن صادق  
نے تالی بجائی اور قلعے کے مختلف گوشوں سے کئی سپاہی ننگی تلوا ریں لیے نمودار ہوئے  
نعیم کو ان میں ہر ایک کا چہرہ ابن صادق کی طرح سفاک نظر آتا تھا۔

نعیم نے کہا۔ تم جانتے ہو کہ میں بُزدل نہیں ہوں۔ تم سے رحم کی درخواست  
نہیں کروں گا۔ تمہارا مقصد اگر میری جان لینا ہے تو میں تیار ہوں۔

ابن صادق نے کہا۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ دنیا کی سب سے بڑی سزا موت ہے لیکن  
میں تم پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں بہت سے سزائیں موت سے زیادہ  
بھیانک ہیں۔ میں تمہیں وہ سزا دے سکتا ہوں جس کو برداشت کرنے کی تم  
میں ہمت نہ ہو۔ میں تمہاری زندگی کو اس درجہ تلخ بنا سکتا ہوں کہ تمہیں ہر لمحہ موت سے  
زیادہ تار یک دکھائی دے۔ لیکن میں تمہارا دشمن نہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ تم زندہ  
رہو۔ میں تمہیں ایک ایسی زندگی کا راستہ بتانا چاہتا ہوں جو تمہاری عاقبت کے تصور  
سے بھی زیادہ حسین ہے۔ تم جنگوں کے مصائب اس لیے برداشت کرتے ہو کہ تم  
زندگی کے عیش و آرام سے واقف نہیں ہو۔ تم بے لوث اس لیے ہو کہ خود نمائی کی  
لذت سے نا آشنا ہو۔ یہ چند سالہ زندگی خدا نے تمہیں اس دُنیا کی نعمتوں سے فائدہ  
اٹھانے کے لیے دی ہے۔ تم اس کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ تم بہادر ہو لیکن تمہاری  
بہادری تمہیں اس کے سوا اور کیا سکھاتی ہے کہ تم ایسے مقاصد کے لیے اپنی جان

گنواؤ جن کی تمہاری ذات سے کوئی تعلق نہیں۔ تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم راہِ خدا میں قربان ہو رہے ہو لیکن خدا کو تمہاری قربانیوں کی ضرورت نہیں۔ تمہاری قربانی سے اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو خلیفہ اور حجاج کو، جو گھر بیٹھے فتوحات کی شہرت حاصل کر رہے ہیں۔ تم اپنے آپ کو فریب دے رہے ہو۔ تمہارے جوانی اور تمہاری شکل و صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم خاک و خون میں لوٹنے کے لیے نہیں بنائے گے۔ تم ایک شہزادہ معلوم ہوتے ہو۔ تمہارے لیے ایک خونخوار بھیڑیے کی زندگی بسر کرنا زیبا نہیں۔ تمہیں ایک شہزادے کی سی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ تم ایک حسین شہزادی کی آنکھوں کا نور اور دل کا قرار بن سکتے ہو۔ تم اپنی زندگی کو ایک رنگین خواب بنا سکتے ہو۔ تم اگر چاہو تو ناہموار زمین، پتھروں اور چٹانوں پر سونے کے بجائے اپنے لیے پھولوں کی بیج مہیا کر سکتے ہو۔ دنیا کا بہت ساعیش و آرام دولت سے خریداجا سکتا ہے۔ تم اگر چاہو تو دنیا بھر کے خزانے اکٹھے کر سکتے ہو۔ دنیا کی حسین سے حسین لڑکیوں کو اپنی خوب گاہ کی زینت بنا سکتے ہو۔ لیکن تم ابھی انجان ہو۔ تم نے کسی کے گیسوؤں کی مہک سے سرشار ہو کر جینا نہیں سیکھا۔ تم اپنی بے غرضی پر اس لیے خوش ہو کہ تم نے دنیا کی جاہ و حشمت نہیں دیکھی۔ نو جوان! تمہارے لیے بہت کچھ کر سکتا ہوں، کاش! تم میرے شریک کر بن جاؤ۔ ہم بنو امیہ کی حکومت ختم کر کے ایک نیا نظام قائم کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمیں خلیفہ اور حجاج کا مغرور سر گچل دینے میں کامیابی ہوگی۔ شاید تم خیال کرتے ہو کہ میں وہی ابنِ صادق ہوں کہ میں اتنا حقیر نہیں ہوں جتنا کہ تم مجھے خیال کرتے ہو۔ تمہارے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ میری پشت پر قیصر روم جیسے آدمی موجود ہیں۔ میں عرب و عجم میں ایک زبردست انقلاب پیدا کرنے کے لیے وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ میں مدت سے تمہارے جیسے جادو بیان نو جوان کی تلاش میں تھا۔ تمہارے سامنے وہ میدانِ عمل پیش کرنا چاہتا ہوں

جس میں تم اپنے خداداد جوہر کا پورا استعمال کر سکو گے۔ تمہارے جیسے نوجوان کو ایک معمولی سپاہی کے عہدے پر قناعت کرنیکی بجائے خلافت کا دعویدار بننا چاہیے!

نعیم کو خاموش دیکھ کر اس صادق نے خیال کیا کہ وہ اس کے دامِ فریب میں آچکا ہے۔ اس نے لہجے کو ذرا نرم کرتے ہوئے کہا۔ اگر تم میرے ساتھ وفاداری کا عہد کرو تو میں ابھی تمہاری زنجیریں کھلوا دیتا ہوں۔ بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تمہارے لیے زندگی بسر کرنے کے لیے وہی راستے ہیں۔ کہو! تم زندگی کی نعمتوں سے مالا مال ہونا چاہتے ہو یا اُسی تاریک کوٹھڑی میں زندگی کے باقی دن گزارنا پسند کرتے ہو؟ نعیم نے گردن اُپر اٹھائی۔ اس کی آنکھیں غیر معمولی کرب کا اظہار کر رہی تھیں۔ اس نے جوش میں آ کر جواب دیا۔ تمہاری باتیں میرے لیے ایک زخمی گتے کی چیخِ پکار سے زیادہ معنی نہیں رکھتیں۔ تم نہیں جانتے کہ میں اس آقا کا غلام ہوں جس نے زمین کے ذروں سے لے کر آسمان کے ستاروں تک کا مالک ہونے کے باوجود اپنے پیٹ پر تین تین دن تک پتھر باندھے تھے۔ تم مجھے دولت کا لالچ دینا چاہتے ہو۔ میں دنیا کے تمام خزانوں کو اپنی خاکِ پا سے زیادہ حقیر سمجھتا ہوں۔ تم کہتے ہو زندگی عیش و آرام کا نام ہے لیکن وہ عیش و آرام جو تلواروں کے سائے میں آزادی کا سانس لینے والوں کو نصیب ہوتا ہے تم جیسے رذیل انسانوں کے تحیل سے بھی بلند ہے۔ تم مجھے خدا کے راستے کے لیے خون کی ندیاں بہانے سے احتراز نہیں کرتے۔ تمہیں جس قیصر کی طاقت پر ناز ہے، اس کے آباؤ اجداد کئی معرکوں میں ہماری تلواروں کے جوہر آزما چکے ہیں۔ بے شک اس وقت میں تمہارے قبضے میں ہوں لیکن قید یا موت کا خوف مجھے بے حس یا بے ضمیر نہیں بنا سکتا۔ تم مجھ سے کسی ایسے کام کی توقع نہ رکھو جو ایک مجاہد کے شایانِ شان نہ ہو!

ابن صادق نے کھیانا ہو کر جواب دیا۔ تم چند دن میں ایسے کام پر آمادہ ہو جاؤ گے جسے دیکھ کر شیطان بھی شرم جائے۔

یہ کہہ کر اُس نے اپنے حاشیہ نشینوں کی طرف دیکھا اور ایک شخص کو اسحاق کے نام سے آواز دی۔ اس کی آواز پر وہی قوی ہیکل جوان جس نے نعیم کو فریب دے کر گرفتار کیا تھا، آگے بڑھا نعیم کو پہلی بار معلوم ہوا کہ اس کا نام اسحاق ہے۔

ابن صادق نے کہا، اسحاق! اس کا دماغ درست کرو۔

ابن صادق کے حکم سے نعیم کو برآمدے کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر نعیم کی قمیض پھاڑ ڈالی اور اس کا سینہ اور بازو عریاں کرتے ہوئے اسحاق کی طرف اشارہ کیا۔ اسحاق ایک خونخوار بھڑیے کی طرح آگے بڑھا اور نعیم پر کوڑے برسائے لگا۔ نعیم نے آف تک نہ کی اور پتھر کی ایک مضبوط چٹان کی طرح کوڑے کھاتا رہا۔ سامنے کے ایک کمرے سے ایک لڑکی نمودار ہوئی اور سہم سہم کر قدم اٹھاتی ہوئی ابن صادق کے قریب آکھڑی ہوئی۔ وہ کبھی بیقرار سی ہو کر نعیم کی طرف دیکھتی اور کبھی سراپا التجا بن کر ابن صادق کی طرف دیکھتی۔ اس کا نازک دل اس سفاکانہ کھیل کو دیر تک برداشت نہ کر سکا۔ اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے ابن صادق کی طرف دیکھا اور کہا۔ چچا۔ وہ بے ہوش ہو رہا ہے!

ہونے دو۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کی تلوار سمجھتا ہے۔ میں اس کی تیزی کا خاتمہ کر کے چھوڑوں گا چچا!

ابن صادق نے برہم ہو کر کہا۔ تم خاموش رہو زلیخا! یہاں کیا کرتی ہو جاؤ!

زلیخا سر جھکائے واپس ہوئی۔ اس نے دو مرتبہ نعیم کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اپنی



مجبوری اور بے حسی کا اظہار کیا اور ایک کمرے میں روپوش ہو گئی۔ جب نعیم نے مارکی شدت سے بے ہوش ہو کر گردن ڈھیلی چھوڑ دی تو اسے پھر قید خانے میں پھینک دیا گیا۔

نعیم کو کئی بار کوٹھڑی سے باہر نکال کر کوڑے لگائے گئے۔ جب یہ سزا کا رگڑ نہ ہوئی تو ابنِ صادق نے حکم دیا کہ اسے چند دن بھوکا رکھا جائے۔ مختلف جسمانی اذیتیں اٹھانے کے بعد نعیم ایک غیر معمولی قوتِ برداشت پیدا کر چکا تھا۔ وہ بھوک اور پیاس کی حالت میں رات کیوقت سونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا کہ کسی نے کوٹھڑی کے سوراخ میں سے آواز دی اور چند سیب اور انگور اندر پھینک دیے۔

نعیم حیران ہو کر اٹھا اور سوراخ سے باہر جھانک کر دیکھا۔ چند قدم کے فاصلے پر کوئی رات کی تاریکی میں غائب ہوتا دکھائی دیا۔ نعیم نے اس کے لباس اور چال سے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی عورت ہے۔ نعیم کے لیے اپنے محسن کو پہچاننا مشکل نہ تھا۔ اس نے کئی بار کوڑے کھاتے وقت ایک نوجوان لڑکی کو بے قرار ہوتے دیکھا تھا۔ اس کے معصوم اور حسین چہرے پر مظلومیت اور بے بسی کے آثار نعیم کے دل پر نقش ہو چکے تھے۔ لیکن وہ کون تھی؟ اس بھیا نک جگہ پر کیونکر لائی گئی؟ نعیم یہ سوچتے ہوئے ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا۔

(۳)

نعیم کی محسنہ کا نام زلیخا تھا۔ وہ اپنی عمر کے سولہ سال انتہائی مصائب میں گوارنے کے باوجود سوانی حسن کا ایک کامل نمونہ تھی۔ زلیخا کو ہر انسان سے غایت درجہ نفرت تھی۔ وہ ایک مدت سے ابنِ صادق کے ساتھ زندگی کے تلخ لمحات گزار



رہی تھی اور اسے ہمیشہ انسانیت کی بدترین مثالوں سے واسطہ پڑا تھا۔ وہ ہر انسان کو اس صادق کی طرح عیار، خود غرض، سفاک اور کمینہ خیال کرتی تھی۔ جب نعیم اس قلعہ میں پایہ زنجیر لایا گیا تو اس نے یہی خیال کہ ایک خود غرض انسان دوسرے خود غرض انسانوں کے قبضے میں ہے لیکن جب اس نے نعیم کو اس صادق کا ساتھی بننے سے انکار کرتے دیکھا تو اس کے پرانے خیالات بدل گئے۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ نوجوان اس دنیا کا باشندہ نہیں جس میں اس نے زندگی کے بے کیف دن اور بھیا نک راتیں گزاری ہیں۔ وہ اس کے ایمان اور عزم پر حیران تھی۔ شروع شروع میں اسے مظلوم سمجھ کر قابل رحم خیال کرتی تھی لیکن چند دنوں میں وہ اسے قابل پرستش نظر آنے لگی۔

زلیخا اپنے والدین کے درونِ ناک انجام سے واقف نہ تھی اور ان سے ملنے کی دُعا ئیں کرنے کے بعد وہ مایوس ہو چکی تھی۔ اس کے لیے دنیا ایک بے حقیقت خواب اور عاقبت محض ایک وہم تھا۔ اس صادق کے تشدد کے خلاف بغاوت کا طوفان اس کے زخم خوردہ دل میں بار بار اُٹھنے کے بعد قریباً سوچا تھا۔ وہ منزل سے بھٹکے ہوئے اور ساحل سے مایوس ملاح کی طرح مدت تک موجوں کے تھپڑے کھانے کے بعد تیر نے یا ڈوبنے سے بے پرواہ ہو چکی تھی اور اپنی ناؤ پر آنکھیں بند کیے بے خوف و خطر مصائب کے طوفان میں بھی جا رہی تھی۔ اسے کبھی کبھی آنکھیں کھولنے اور چپو ہلانے کا خیال آتا لیکن پھر مایوسی اپنا رنگ جمالیتی۔ اس بے خانماں ملاح کو ساحل یا منزل کی طرف سے کسی آواز دینے والے کی ضرورت تھی۔ فطرت یہ کام نعیم سے لینا چاہتی تھی۔ نعیم کے ساتھ معمولی سے لگاؤ نے زلیخا کے دل میں خوابیدہ طوفان پھر بیدار کر دیے اور اس صادق کے پنے سے رہائی پا کر نعیم کی دنیا

میں اطمینان کا سانس لینے کی تمنا اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگی۔

زلیخا ہر شب کسی نہ کسی وقت آتی اور کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ نعیم کی تاریک کوٹھڑی میں امید کی کرن چھوڑ کر چلی جاتی۔

چار دن کے بعد نعیم کو پھر اس صادق کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس صادق اس کی جسمانی حالت میں کوئی تغیر نہ پا کر حیران ہوا اور بولا۔ تم بہت سخت جان ہو۔ شاید تمہارے خدا کو یہی منظور ہے کہ تم زندہ رہو۔ لیکن تم اپنے ہاتھوں اپنی موت خرید رہے ہو۔ میں اب بھی تمہیں سوچنے کا موقعہ دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے مقدر کا ستارہ بہت بلند ہے۔ تم کسی بڑے کام کی تکمیل کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ میں تمہیں اس بلند مقام تک پہنچانے کا وعدہ کرتا ہوں جہاں تمام اسلامی دنیا میں کوئی تمہارا مد مقابل نہ ہو۔ میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں اور یہ آخری موقعہ ہے۔ اگر تم نے اس وقت بھی میرے خلوص کو ٹھکرا دیا تو پچھتاؤ گے۔

نعیم نے کہا۔ ذلیل کتے! تم مجھے بار بار کیوں تنگ کرتے ہو؟

اس ذلیل کتے کا کاٹا کبھی اچھا نہیں ہوگا اور اب وقت آ پہنچا ہے کہ یہ ذلیل کتا تمہیں کاٹنے کے لیے اپنا منہ کھول دے۔ عاقبت نا اندیش انسان ذرا آنکھیں کھول اور دیکھ کہ دنیا کس قدر حسین ہے۔ دیکھ وہ سامنے پہاڑوں کے مناظر کیسے دلکش ہیں۔ تجھے جس چیز کے دیکھنے کی ہوس ہے۔ آج اچھی طرح دیکھ لے اور اپنے دل پر ان تمام تصاویر کو اچھی طرح نقش کر لے کیونکہ کل سورج نکلنے سے پہلے تیری آنکھیں نکال دی جائیں گی اور تیرے کان بھی سننے کی قوت سے محروم ہو جائیں گے۔ آج جو کچھ دیکھنا چاہتا ہے دیکھ لے اور جو کچھ سننا چاہتا ہے سن لے! یہ کہہ کر

اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا اور انہوں نے نعیم کو ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

ہاں اب بتاؤ کہ آنکھوں سے محروم ہو جانے سے پہلے کوئی ایسی چیز ہے جسے تم دیکھنا چاہتے ہو؟

نعیم خاموش رہا۔

ابن صادق نے کہا۔ تم یہ جانتے ہو کہ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ تمہیں آج کا سارا دن یہیں گزارنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس وقت سے فائدہ اٹھاؤ اور جو چیز تمہاری آنکھوں کے سامنے آئے اسے اچھی طرح دیکھ لو اور جو نغمے تمہارے سامنے گائے جائیں۔ انہیں اچھی طرح سن لو! یہ کہہ کر ابن صادق نے تالی بجائی اور چند آدمی طاؤس و رباب اور دیگر قسم کے ساز لیے حاضر ہوئے اور ابن صادق کے اشارہ سے ایک طرف بیٹھ گئے۔

آہستہ آہستہ نغمے کے صدا بلند ہوئی۔ اس کے بعد چند عورتیں مختلف رنگوں کے لباس میں طبوس ایک کونے سے نمودار ہوئیں اور نعیم کے سامنے رقص کرنے لگیں۔ نعیم سر جھکائے اپنے پاؤں کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے خیالات یہاں سے کوسوں دُور ایک چھوٹی سی بستی کی طرف پرواز کر رہے تھے۔

اس مجلس کو منعقد ہوئے چند ساعتیں تھیں کہ چند تیز رفتار گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز سے حاضرین مجلس چونک اُٹھے۔ ابن صادق اُٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک حبشی غلام نے آکر اطلاع دی کہ اسحاق آ پہنچا ہے۔

ابن صادق نے نعیم کو مخاطب کر کے کہا۔ نوجوان! شاید تم ایک نہایت دلچسپ خبر سنو۔ تھوڑی دیر بعد اسحاق ایک طشتری اُٹھائے حاضر ہوا اور ابن صادق کو آداب

بجالانے کے بعد طشتری اس کے سامنے رکھ دی۔ طشتری میں کوئی گول مول شے رومال میں لپیٹ کر رکھی ہوئی تھی۔ ابن صادق نے طشتری پر سے رومال اُتارا۔ نعیم نے دیکھا کہ طشتری میں کسی آدمی کا سر رکھا ہوا ہے۔

شاید آپ اسے دیکھ کر خوش ہوں۔ یہ کہہ کر ابن صادق نے ایک حبشی کو اشارہ کیا۔ حبشی نے طشتری اٹھائی اور نعیم کے قریب لا کر زمین پر رکھ دی۔ طشتری میں رکھے ہوئے سر کو پہچان کر نعیم کے دل میں ایک چرکا لگا۔ یہ ابن عامر کا سر تھا۔ سوکھے ہوئے چہرے پر اب بھی ایک تبسم کھیل رہا تھا۔ نعیم نے آشک آلود آنکھوں کو بند کر لیا۔ زینخا ابن صادق کے پیچھے کھڑی یہ دردناک منظر دیکھ رہی تھی۔ اس عزم و استقلال کے مجسمہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اُس کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔

ابن صادق اپنی جگہ سے اٹھا۔ اسحاق کو قریب بلا کر تھپکی دی اور کہا۔ اسحاق! اب فقط ایک شرط باقی ہے۔ میں محمد بن قاسم کا سر اس نوجوان کے ساتھ دفن کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم اس مہم میں کامیاب ہو گئے کہ زینخا کو تمہارے جیسے بہادر نوجوان کو اپنا شریک حیات منتخب کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

یہ کہتے ہوئے ابن صادق نے زینخا کی طرف مڑ کر دیکھا۔ وہ آنسو بہاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ ابن صادق نعیم کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

مجھے معلوم ہے تمہیں ابن قاسم سے محبت ہے۔ اگر تم اس کا سر یہاں پہنچنے تک زندہ نہ رہ سکتے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کا سر تمہارے ساتھ دفن کیا جائے گا۔

یہ کہہ کر ابن صادق نے سپاہیوں کو حکم دیا اور وہ نعیم کو قید خانہ میں چھوڑ آئے۔



(۴)

رات کے وقت نعیم دیر تک بے قراری کے ساتھ قید خانہ کی چار دیواری میں چکر لگاتا رہا۔ اس کا دل ایک طویل مدت تک روحانی اور جسمانی کلفتیں اٹھانے کے بعد کسی قدر بے حس ہو چکا تھا لیکن اس پر آنکھوں اور کانوں سے محروم ہو جانے کا تصور کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ہر لمحہ اس کی بے قراری میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کبھی وہ چاہتا کہ یہ رات قیامت کی رات کی طرح طویل ہو جائے اور کبھی اس کے منہ سے یہ دُعا نکلتی کہ ابھی صبح ہو جائے اور انتظار کی مدت ختم ہو۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے تھک کر لیٹ گیا۔ کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد مجاہد کو نیند آ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ صبح ہونے والی ہے اور اسے کوٹھڑی سے نکال کر ایک درخت کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہے۔ ابنِ صادق اپنے ہاتھ میں خنجر لیے آیا ہے اور اس کی آنکھیں نکال دیتا ہے۔ اس کے ارد گرد تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کے کانوں میں کوئی دوائی ڈالی جاتی ہے جس سے اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگتے ہیں۔ اور کچھ سنائی نہیں دیتا۔ ابنِ صادق کے سپاہی اسے وہاں سے لا کر پھر کوٹھڑی میں پھینک جاتے ہیں۔ وہ سننے اور دیکھنے کی قوت سے محروم ہو کر کوٹھڑی می دیواروں سے ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اور وہاں سے باہر نکلنے کا کائی راستہ نظر نہیں آتا۔ سپاہی پھر ایک بار آتے ہیں اور اس کوٹھڑی سے گھسیٹتے ہوئے بارہ لے جاتے ہیں اور کہیں دور چھوڑ آتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے کانوں کے پردے یک لخت کھل گئے ہیں اور وہ پرندوں کے چچے اور ہوا کی سائیں سائیں سن رہا ہے۔ عذرا اسے دُور سے نعیم نعیم ! کہہ کر پکار رہی ہے۔ وہ اٹھتا ہے اور جس طرف سے آواز آتی ہے، اس طرف قدم اٹھاتا ہے لیکن چند قدم چلنے کے بعد اس کا پاؤں ڈمگاتا ہے اور وہ زمین پر گر پڑتا



ہے۔ اس کی آنکھوں میں اچانک بینائی آ جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ عذرا اس کے سامنے کھڑی ہے۔ وہ پھر ایک بار اٹھتا ہے اور ہاتھ پھیلا کر عذرا عذرا! کہتا ہوا اس کی طرف بڑھتا ہے لیکن اس کے قریب پہنچ کر غور سے دیکھنے کے بعد وہ ٹھٹھک کر رہ جاتا ہے۔ عذرا کی بجائے اس کو ٹھڑی میں اس سے ملتی جلتی حسن و جمال کی ایک اور تصویر کھڑی تھی۔ دیوار کے روزن میں چاند کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بغور دیکھنے کے بعد اس نے پہچان لیا کہ وہ زلیخا ہے لیکن وہ دیر تک پریشانی کی حالت میں کھڑا یہی محسوس کرتا رہا کہ وہ ایک خواب دیکھ رہا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ وہم غلط ثابت ہونے لگا اور اس نے چند بار آنکھیں ملنے اور جسم ٹٹولنے کے بعد یقین کر لیا کہ یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

نعیم نے سوال کیا۔ تم کون ہو؟ کیا یہ ایک خواب نہیں؟

زلیخا نے جواب دیا۔ نہیں یہ خواب نہیں۔ آپ گر کیوں پڑے تھے؟

کب؟

ابھی جب میں نے آ کر آپ کو آواز دی تھی۔ آپ گھبرا کر اٹھے اور پھر گر پڑے تھے۔

اُف! میں ایک خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اندھا ہو چکا ہوں۔ عذر مجھے بلا رہی ہے اور میں اس کی طرف جاتے ہوئے کسی سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا ہوں۔ لیکن پھر بھی اگر کسی کے کان میں آپ کی آواز پہنچ گئی تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ میں نے پہریداروں کو اپنا سارا زیور دے کر بڑی مشکل سے اس کو ٹھڑی کا دروازہ کھلوایا ہے۔ انہوں نے ہمارے لیے دو گھوڑے مہیا کرنے اور قلعہ کا دروازہ

کھول دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ اُنھیں اور میرے ساتھ احتیاط سے چلیں۔

دو گھوڑے! وہ کس لیے؟

میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔

میرے ساتھ؟ نعیم نے حیرانی سے پوچھا۔

ہاں آپ کے ساتھ۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری حفاظت کریں گے۔ میرے والدین کا گھر دمشق میں ہے۔ آپ مجھے وہاں پہنچا دیں گے۔

آپ اس قلعہ میں کیونکر آئیں؟

زیلخانے کہا۔ باتوں کا وقت نہیں میں بھی آپ کی طرح ایک بد نصیب ہوں۔

نعیم نے ذرا تامل سے کہا۔ اس وقت آپ کا میرے ساتھ جانا مناسب نہیں۔ آپ تسلی رکھیں۔ میں آپ کو چند دن کے اندر اس شخص کے ہاتھوں سے چھڑا لے جاؤں گا۔

نہیں نہیں خدا کے لیے مجھے مایوس نہ کرو!۔ زیلخانے روتے ہوئے کہا۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ کے بعد اگر اسے معلوم ہو گیا کہ آپ کو آزاد کروانے میں میرا ہاتھ ہے تو وہ مجھے قتل کیے بغیر چھوڑے گا۔ اور اگر اسے نہ بھی معلوم ہوا تو بھی وہ آپ کے جاتے ہی آپ کی طرف سے خوف زدہ ہو کر اس قلعہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ روپوش ہو جائے گا اور مجھے کسی ایسے پنجرے میں قید کرے گا جس تک پہنچا آپ کی طاقت سے بعید ہوگا۔ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ شخص میری شادی زبردستی اسحاق سے کرنا چاہتا ہے۔ اور اس نے اس کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ محمد بن قاسم کو قتل کر

آئے تو مجھے اسکے حوالے کر دیگا۔ خدا کے لیے مجھے اس ظالم بھیڑیے کے ہاتھوں سے بچائیے! اس نے یہ کہہ کر نعیم کا دامن پکڑ لیا اور سسکیاں لینے لگی۔

آپ گھوڑے پر سواری کر سکیں گی؟ نعیم نے پوچھا۔

زلیخا نے پر امید ہو کر جواب دیا۔ میں اس ظالم کے ساتھ گھوڑے پر قریباً نصف دُنیا کا چکر لگا چکی ہوں۔ اب آپ وقت ضائع نہ کریں۔ میں نے آپ کے ہتھیار بھی قلعے سے باہر بھجوا دیے ہیں۔ اب جلدی کیجئے!

نعیم زلیخا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کوٹھڑی کے دروازے کی طرف بڑھا تو اسے باہر کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے رُک کر کہا۔ کوئی اس طرف آرہا ہے۔

زلیخا نے کہا۔ اس کوٹھڑی کے دونوں پہرے دار میں نے قلعے کے دروازے پر بھیج دیے ہیں۔ یہ کوئی اور ہے۔ اب کیا ہوگا؟

نعیم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک دیوار کی طرف دھکیل دیا اور خود دروازے سے باہر جھانکنے لگا۔ پاؤں کی آہٹ کے ساتھ ان کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو رہی تھیں۔

ایک پہرے دار دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچا تو ایک ثانیه کے لیے مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی نعیم نے ایک جست لگائی اور پہرے دار کی گردن اس کے ہاتھوں کی آہنی گرفت میں تھی۔ نعیم نے اسے چند جھٹکے دینے کے بعد بیہوشی کی حالت میں کوٹھڑی کے اندر دھکیل دیا۔ اور زلیخا کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکالنے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔

قلعہ کے دروازہ پر ایک سپاہی اور نظر آیا۔ اس نے زلیخا کو دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ دوسرا سپاہی قلعہ کے باہر دو گھوڑے اور نعیم کے ہتھیار لیے کھڑا تھا۔ نعیم نے ہتھیار باندھے اور زلیخا کو ایک گھوڑے پر سوار کر کے خود دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لیکن چند قدم چلنے کے بعد اُس نے گھوڑے کی باگ موڑ لی اور پہرے دار سے جواب بھی تک وہیں کھڑا تھا سوال کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ ہماری وجہ سے تمہاری جان خطرہ میں نہیں پڑے گی؟

پہرے دار نے جواب دیا۔ آپ ہماری فکر نہ کریں۔ وہ دیکھیے! اس نے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ہم بھی پوٹھنے سے پہلے یہاں سے کوسوں دُور ہوں گے۔ اس بھیڑیے سے بہت تنگ آ چکے ہیں۔ نعیم نے دیکھا کہ ایک درخت کے ساتھ دو اور گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔

نعیم پہاڑوں کے ان دشوار گزار راستوں سے واقف نہیں تھا لیکن ستاروں سے سمت کا اندازہ لگاتا ہوا زلیخا کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ چند کوس گھنے درختوں میں سے گزرنے کے بعد ایک وسیع میدان نظر آیا۔ اس نے کئی مہینوں کے بعد کھلی ہوا میں آسمان کے جگمگاتے ہوئے ستاروں کو دیکھا تھا۔ اس سناٹے میں کبھی کبھی گیدڑوں کی آواز آتی تھی۔ چاند کی دلفریب روشنی درختوں کے پتوں میں چھپ چھپ کر چمکنے والے جلگو، ہلکی ہلکی ٹھنڈی اور مہکتی ہوئی ہوا۔ غرض اس رات کی ہر چیز نعیم کو معمول سے زیادہ خوشنما نظر آتی تھی۔ کچھ دیر بعد صبح کی روشنی رات ردائے سیاہ کو چاک کرنے لگی اور تاریکی اور روشنی کی آمیزش نے نعیم کی آنکھوں کے سامنے ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف میدان کا ایک دھندلا سا منظر پیش کیا۔ اس نے زلیخا کی طرف دیکھا اس کی شکل و صورت اس دھندلے سے منظر کی جاذبیت میں



اضافہ کر رہی تھی۔ وہ نعیم کو ٹڈ رت کے مناظر کا ایک جزو معلوم ہوتی تھی۔ زلیخانے بھی اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور حیا سے گردن جھکالی۔ نعیم نے اس سے پوچھا کہ وہ ابن صادق کے بچے میں کیونکر آئی؟ اس کے جواب میں زلیخانے شروع سے آخر تک اپنی المناک داستان کہہ سنائی۔ اپنی کہانی ختم کرنے سے پہلے وہ کئی بار بے اختیار رو پڑی۔ نعیم نے اسے بار بار تسلی دی کہ اس کے آنسو خشک کیے۔

جب روشنی اور زیادہ ہوئی تو انہوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ نعیم نے یہ دیکھ کر کہ زلیخا سواری میں اچھی خاصی دسترس رکھتی ہے۔ اپنے گھوڑے کو سر پٹ چھوڑ دیا۔ کوئی دو کوس چلنے کے بعد نعیم کو یک لخت ایک خیال آیا اور اس نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ زلیخانے بھی اس کی تقلید میں اپنا گھوڑا کھڑا کر دیا۔ نعیم نے زلیخا سے پوچھا۔ آپ کو یقین ہے کہ اسحاق محمد بن قاسم قتل کرنے کے ارادے سے روانہ ہو چکا ہے؟ زلیخانے جواب دیا۔ ہاں وہ آج شام کے وقت روانہ ہو گیا تھا۔

تو وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ یہ کہہ کر نعیم نے گھوڑے کی باگیں بائیں طرف موڑیں اور ایڑ لگا دی۔ زلیخانے بھی کچھ پوچھے بغیر اپنا گھوڑا اس کے پیچھے چھوڑ دیا۔

سُورج نکلنے سے کچھ دیر بعد نعیم ایک چوکی پر پہنچا۔ اس چوکی پر پہاڑی جملوں کے پیش نظر تیس سپاہی متعین تھے۔ نعیم گھوڑے سے اُترا اور ایک بوڑھا سپاہی نعیم نعیم کہتا ہوا آگے بڑھا اور اسے گلے لگالیا۔ سپاہی نعیم کی بستی کے قریب ہی ایک بستی کا رہنے والا تھا۔ آپ اتنی دیر کہاں رہے؟ ہم نے آپ کو دنیا کے ہر کونے میں تلاش کیا۔ آپ کا بھائی بھی آپ کی تلاش میں سندھ گیا تھا۔ آپ کے دوست محمد بن قاسم نے بھی آپ کا پتہ لگانے والے کے لیے پانچ ہزار اشرفی انعام مقرر کیا ہے۔ ہم سب مایوس ہو چکے گے۔ آخر آپ کہاں رہے؟



نعیم نے جواب دیا۔ ان سوالات کا جواب دینے کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔ آپ مجھے بتائیں کہ آج رات یا صبح کے وقت ایک جسیم آدمی اچھر سے گزرا ہے یا نہیں؟

سپاہی نے جواب دیا۔ ہاں! سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے ایک آدمی یہاں سے گزرا تھا وہ کہتا تھا کہ خلیفۃ المسلمین نے اسے دمشق سے ایک خاص پیغام دے کر محمد بن قاسم کی طرف سندھ روانہ کیا ہے۔ اس نے یہاں سے گھوڑا بھی تبدیل کیا تھا۔

اُس کا رنگ گندمی تھا؟ نعیم نے سوال کیا۔

ہاں! شاید گندمی تھا۔ بوڑھے سپاہی نے کہا۔

بہت اچھا۔ نعیم نے کہا۔ تم میں سے ایک آدمی سیدھا شمال مشرق کی طرف جائے چند کوس دور ایک پہاڑی درختوں میں چھپا ہوا یا ک قلعہ نظر آئے۔ تم میں سے جو شخص جائے وہاں قریب جا کر دیکھے کہ اس قلعہ میں رہنے والے اسے چھوڑ کر چلے تو نہیں گئے؟ میرا خیال ہے کہ تمہارے جانے سے پہلے وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں گے۔ لیکن مجھے معلوم کرنا ہے کہ وہ کس طرف جاتے ہیں۔ اس کام کے لیے ایک ہوشیار آدمی کی ضرورت ہے!

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔ میں جاتا ہوں۔

نعیم نے کہا۔ ہاں جاؤ۔ اگر وہ تمہارے جانے سے پہلے قلعہ خالی چھوڑ کر چلے گئے ہوں تو واپس آ جانا، ورنہ ان کی نقل و حرکت کا خیال رکھنا۔

نوجوان گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔

نعیم نے باقی سپاہیوں میں سے بیس نوجوان منتخب کر کے انہیں حکم دیا۔ تم اس معزز خاتون کے ساتھ بصرہ تک جاؤ اور وہاں پہنچ کر گورنر کو میری طرف سے کہو کہ انہیں عزت اور احترام سے دمشق پہنچایا جائے اور راستے میں آنے والی چوکیوں سے جتنے سپاہی فراہم ہو سکیں اپنے ساتھ شامل کرتے جاؤ۔ شاید ایک ذلیل دشمن ان کا تعاقب کرنے والی بصرہ سے کہنا کہ وہاں سے کم از کم سو سپاہی ان کے ساتھ ضرور روانہ کرے۔ تم بھی ہوشیار رہنا۔ اگر ان کے دشمن سے مقابلے کی نوبت آئے تو تمہارا سب سے پہلا فرض ان کی جان بچانا ہوگا۔ راستہ میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو! سپاہی یہ سن کر گھوڑوں پر زین ڈالنے میں مصروف ہو گئے۔ نعیم نے گھوڑے سے اتر کر ایک خط حجاج بن یوسف کے نام لکھا اور اپنے لیے زلیخا کی قربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے نہایت عزت و احترام سے دمشق پہنچا دینے کی درخواست کی۔ یہ خط ایک سپاہی کے حوالے کرنے کے بعد وہ زلیخا کے قریب آکھڑا ہوا۔ زلیخا بھی تک گھوڑے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ نعیم نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ آپ مغموم نظر آتی ہیں۔ فکر نہ کریں۔ میں نے آپ کی حفاظت کا پورا بندوبست کیا ہے۔ آپ کو راستہ میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں بھی آپ کے ساتھ بصرہ تک جاتا، لیکن میں مجبور ہوں۔

آپ کہاں جائیں گے؟ زلیخا نے پوچھا۔

مجھے ایک دوست کی جان بچانا ہے۔

آپ اسحاق کے تعاقب میں جارہے ہیں؟

ہاں امید ہے میں اسے بہت جلد پکڑ لوں گا۔

زلیخا نے پُر غم آنکھوں کو رو مال سے چھپاتے ہوئے کہا۔ آپ احتیاط سے کام لیں، وہ بہادر بھی ہے اور مکار بھی۔

آپ فکر نہ کریں۔ آپ کے ساتھی تیار ہو گئے ہیں اور مجھے بھی دیر ہو رہی ہے۔ اچھا خد ا حافظ! نعیم چلنے کو تھا۔ زلیخا نے اشک آلود آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مغموم آواز میں کہا۔ میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتی ہیں۔  
ہاں پوچھیے۔

زلیخا کوشش کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی سیاہ آنکھوں سے چمکتے ہوئے آنسوؤں کے قطرے نکل کر گالوں پر بہتے ہوئے گر پڑے۔

پوچھیے! نعیم نے کہا۔ آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی تھیں۔ میں آپ کے ان آنسوؤں کی قدر و قیمت جانتا ہوں۔ لیکن آپ میری مجبوریوں سے واقف نہیں۔

میں جانتی ہوں۔ زلیخا نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

ہاں مجھے دیر ہو رہی ہے۔ آ کیا پوچھنا چاہتی تھیں؟

زلیخا نے کہا۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ جب میں نے قید خانہ میں آپ کو آواز دی تھی تو آپ عذر اعدرا کہتے ہوئے اُٹھے تھے اور پھر گر پڑے تھے۔

ہاں مجھے یاد ہے۔ نعیم نے کہا۔

میں پوچھ سکتی ہوں وہ خوش نصیب کون ہے؟ زلیخا نے جھکتے ہوئے سوال کیا۔

آپ غلطی پر ہیں۔ شاید ہوا اس قدر خوش نصیب نہ ہو۔

وہ زندہ ہے؟

شاید۔

خدا کرے کہ وہ زندہ ہو۔ وہ کہاں ہے؟ اگر وہ میرے راستے سے بہت دور نہ ہو تو میں چاہتی ہوں کہ اسے دیکھتی جاؤں۔ کیا آپ میری درخواست قبول کریں گے؟

آپ واقعی وہاں جانا چاہتی ہیں؟

اگر آپ کو ناگوار نہ ہو تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔

بہت اچھا۔ یہ سچا ہی آپ کو ہمارے گھر تک پہنچا دیں گے۔ میرے آنے تک آپ وہیں ٹھہریں گی۔ اگر کسی وجہ سے دیر نہ ہو گئی تو ممکن ہے کہ میں آپ کو راستے میں ہی آملوں۔

وہ آپ کی والدہ کے پاس ہیں؟ آپ کی شادی ہو چکی ہے؟

نہیں۔ لیکن اس کی پرورش ہمارے گھر میں ہوئی ہے۔

یہ کہہ کر نعیم سپاہیوں کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں حکم دیا کہ وہ زلیخا کو بصرہ پہنچانے کی بجائے اس کے گھر تک پہنچا دیں۔

نعیم خدا حافظ کہہ کر جانے کو تھا کہ زلیخا کی ملتجی نگاہوں نے اسے ایک بار پھر ٹھہرا لیا۔ زلیخا نے آنکھیں نیچی کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک خنجر نعیم کی



طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

آپ کے ہتھیاروں میں سے یہ خنجر میں نے ننگ شگون سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ شاید آپ کو اس کی ضرورت ہو۔ اگر آپ اسے ننگ شگون خیال کرتی ہیں تو میں خوشی سے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ آپ اسے اپنے پاس ہمیشہ رکھیں!

شکریہ! میں اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گی۔ شاید کبھی یہ میرے کام آئے۔  
نعیم اس وقت تو اس فقرے پر توجہ دیے بغیر گھوڑے پر سوار ہو گیا لیکن بعد میں دیر تک یہ الفاظ اس کے کانوں میں گونجتے رہے۔

(۵)

زلیخا کو اس مختصر سے قافلے کے ساتھ بھیج کر نعیم اسحاق کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ وہ ہر چوکی پر گھوڑا بدلتا ہوا اور اسحاق کا سراغ لگاتا ہوا نہایت تیزی سے جا رہا تھا۔ دوپہر کے وقت ایک سوار آگے جاتا دکھائی دیا۔ نعیم نے اپنے گھوڑے کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز کر دی۔ آگے آگے جانے والے سوار نے دُور سے مُڑ کر نعیم کی طرف دیکھا تو اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں لیکن جب اُس نے محسوس کیا کہ پیچھے آنے والے سوار کا گھوڑا نہایت تیزی سے آ رہا ہے تو اس نے کسی خیال سے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ نعیم نے دُور سے ہی پہچان لیا کہ وہ اسحاق ہے۔ اس نے اپنے خود کے نیچے سر کا کرچہ ڈھانپ لیا۔ نعیم کو قریب آتا دیکھ کر اسحاق راستے سے چند قدم ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ نعیم نے بھی اس کے قریب پہنچ کر گھوڑا اٹھہرا لیا۔ دونوں سوار ایک لمحہ کے لیے ایک دوسرے کے سامنے خاموش کھڑے رہے۔ بالآخر اسحاق نے سوال کیا:

آپ کون ہیں اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

یہی سوال میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ نعیم نے کہا۔

نعیم کے لہجے میں سختی سے اسحاق قدرے پریشان ہوا لیکن فوراً ہی اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ آپ نے میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے ایک اور سوال کر دیا؟

نعیم نے کہا۔ میری طرف غور سے دیکھو! تمہیں دونوں سوالوں کا جواب مل جائے گا۔

یہ کہہ کر نعیم نے ایک ہاتھ اپنے چہرے کے نقاب الٹ دیا۔

تم۔۔۔۔۔ نعیم؟ اسحاق کا منہ سے بے اختیار نکلا۔

ہاں میں۔۔۔۔۔ نعیم نے خود دوبارہ نیچے سرکاتے ہوئے کہا۔

اسحاق نے اپنی سراسمیگی پر قابو پا کر اچانک گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے پیچھے ہٹا لیا۔ اتنی دیر میں نعیم بھی ایک ہاتھ میں گھوڑے کی باگیں اور دوسرے ہاتھ میں نیزہ سنبھال کر تیار ہو چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے حملے کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک اسحاق نے نیزہ بلند کیا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اسحاق کی گھوڑے کی ایک ہی جست میں نعیم اس کی زد میں آچکا تھا۔ لیکن وہ برق سی پھرتی سے ایک طرف جھکا اور اسحاق کا نیزہ اس کی ران پر ایک خفیف سا زخم لگاتا ہوا آگے نکل گیا۔ نعیم نے فوراً اپنا گھوڑا موڑ کر اس کے پیچھے لگا دیا۔ اتنی دیر میں اسحاق اپنے گھوڑے کو چھوٹا سا چکر دے کر پھر ایک بار نعیم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ دونوں سوار بیک وقت

اپنے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر نیزے سنبھالتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ نعیم نے پھر ایک بار اپنے آپ کو اسحاق کے وار سے بچا لیا۔ لیکن اس دفعہ نعیم کا نیزہ اسحاق کے سینے کے آر پار ہو چکا تھا۔ اسحاق کو خاک و خون میں تڑپتا چھوڑ کر نعیم واپس مڑا۔ اگلی چوکی پر پہنچ کر ظہر کی نماز ادا کی۔ گھوڑا تبدیل کیا اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر آگے چل دیا۔ جب نعیم اس چوکی پر پہنچا جہاں سے وہ زلیخا کو رخصت کر کے اسحاق کے تعاقب میں روانہ ہوا تھا تو وہاں سے معلوم ہوا کہ ابن صادق اور اس کی جماعت قلعے کو چھوڑ کر کہیں جا چکے ہیں۔ نعیم نے ان کا تعاقب کرنا بے سود خیال کیا۔ ابھی شام ہونے میں کچھ دیر تھی۔ نعیم نے ایک سپاہی کو کاغذ، قلم لانے کا حکم دیا اور ایک خط محمد بن قاسم کے نام لکھا اور اس خط میں اس نے سندھ سے رخصت ہو کر ابن صادق کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے حالات مختصر طور پر لکھے اور اسے ابن صادق ک سازشوں سے باخبر رہنے کی تاکید کی اور دوسرا خط اس نے حجاج بن یوسف کے نام لکھا اور اسے ابن صادق کی گرفتاری کے لیے فوری تدابیر عمل میں لانے کی تاکید کی۔ نعیم نے یہ خط چوکی والوں کے سپرد کیے اور انہیں بہت جلد پہنچا دینے کی تاکید کر کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

نعیم کو اس بات کا خدشہ تھا کہ ابن صادق شاید زلیخا کا تعاقب کرے۔ وہ ہر چوکی سے اس مختصر قافلے کے متعلق پوچھتا جاتا اسے معلوم ہوا کہ دوسری چوکیوں پر سپاہیوں کی قلت کی وجہ سے زلیخا کے ساتھ دس سے زیادہ اور سپاہی نہیں جاسکے۔ نعیم زلیخا کی حفاظت کے خیال سے فوراً اس قافلے میں شامل ہو جانا چاہتا تھا اور گھوڑے کو تیز سے تیز رفتار پر چلا رہا تھا۔ رات ہو چکی تھی۔ چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ کائنات پر سمیں تاروں کا جال بچھا رہا تھا۔ نعیم پہاڑوں

اور میدانوں سے گزر کر ایک صحرائی خط عبور کر رہا تھا۔ راستے میں ایک عجیب و غریب منظر دیکھ کر اس کے خون کا ہر قطرہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ ریت پر چند گھوڑوں اور انسانوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ان میں سے بعض وہ تھے جنہیں اس نے زلیخا کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ اس وقت نعیم کے دل میں سب سے پہلا خیال زلیخا کا تھا۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ایک زخمی نوجوان نے نعیم سے پانی مانگا۔ نعیم نے جلدی سے گھوڑے پر سے چھاگل کھول کر پانی پلایا۔ وہ اپنے دھڑکتے دل کو ایک ہاتھ سے دبائے کچھ پوچھنے کو تھا کہ زخمی نے ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا:

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنا فرض پورا نہ کر سکے۔ ہم آپ کے حکم کے مطابق اپنی جانیں بچانے کی بجائے ان کی جان کی حفاظت کے لیے آخر دم تک لڑتے رہے۔ لیکن وہ بہت زیادہ تھے۔ آپ ان کی خبر لیں!

یہ کہہ کر اس نے پھر اپنے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔ نعیم جلدی سے اس طرف بڑھا۔ چند لاشوں کے درمیان زلیخا کو دیکھ کر اس کا دل کانپنے لگا۔ کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ وہ مجاہد جو آج تک نازک سے نازک صورت حال کا مقابلہ نہایت خندہ پیشانی سے کرنے کا عادی تھا۔ یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر کانپ اٹھا۔

زلیخا! زلیخا!! تم!۔۔۔۔۔!

زلیخا میں ابھی کچھ سانس باقی تھے۔ آپ آگئے؟ اس نے نحیف آواز میں کہا۔

نعیم نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے زلیخا کے سر کو سہارا دے کر اوپر کیا اور پانی پلایا۔ زلیخا کے سینے میں ایک خنجر پیوست تھا۔ نعیم کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کا دستہ پکڑا اور اسے کھینچ کر باہر نکالنا چاہا لیکن زلیخا نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور کہا۔



اب اسے نکالنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ اپنا کام کر چکا ہے اور میں آخری وقت آپ کی اس نشانی سے جُدا نہیں ہونا چاہتی۔

نعیم نے حیران ہو کر کہا۔ میری نشانی!

ہاں! یہ خنجر آپ کا ہے۔ ظالم چچا مجھے گرفتار کر کے لے جانا چاہتا تھا۔ میں ایسی زندگی سے مر جانا بہتر خیال کرتی تھی۔ میں آپ کی شکرگزار ہوں کہ آپ کا دیا ہوا خنجر میرے کام آیا۔

زیلخا! زیلخا!! تم نے خودکشی کر لی؟

ہر روز کی روحانی موت کی بجائے ایک دن کی جسمانی موت کو بہتر خیال کرتی تھی۔ خُدا کے لیے آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ آخر میں کیا کر سکتی تھی؟ اپنی بگڑی ہوئی تقدیر کو بنا لینا میرے اختیار میں نہ تھا اور اس آخری مایوسی کو میں جیتے جی برداشت نہ کر سکتی تھی۔

نیم نے کہا۔ زیلخا! میں بے حد شرمسار ہوں لیکن میں مجبور تھا۔

زیلخا نے نعیم کے چہرے پر ایک محبت بھری نگاہ ڈالی اور کہا۔ آپ افسوس نہ کریں، قدرت کو یہی منظور تھا اور قدرت سے میں اس سے زیادہ توقع بھی نہیں رکھتی تھی۔ میری خوش بختی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آخری وقت میں آپ مجھے سہارا دیے ہوئے ہیں۔ زیلخا نے یہ کہہ کر ضعف اور درد کی شدت سے آنکھیں بند کر لیں۔ نعیم نے اس خیال سے کہ یہ ٹٹماتا ہوا چراغ بجھ نہ گیا ہو۔ بیتابی کے ساتھ، زیلخا زیلخا! کہہ کر اس کا سر ہلایا۔ زیلخا نے آنکھیں کھول کر نعیم کی طرف دیکھا اور اپنے خشک گلے پر ہاتھ رکھ کر پانی مانگا۔ نعیم نے پانی پلایا۔ کچھ دیر دونوں خاموش

رہے۔ اس خاموشی میں نعیم کے دل کی دھڑکن تیز اور زلیخا نے پانی پلایا۔ کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ اس خاموشی میں نعیم کے دل کی دھڑکن تیز اور زلیخا کے دل کی حرکت کم ہو رہی تھی۔ وہ مرجھائی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پر ثار کر رہی تھی۔ اور وہ بے قرار نگاہوں سے اس کے سینے میں چبھے ہوئے خنجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالآخر زلیخا نے ایک سسکی لے کر نعیم کو اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا۔ میں آپ کے گھر جا کر اسے دیکھنا چاہتی تھی۔ میرے یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ آپ وہاں جا کر اسے میرا سلام کہیں۔ یہاں تک کہ زلیخا خاموش ہو گئی اور پھر کچھ سوچنے کے بعد بولی: اب میں ایک لمبے سفر پر جا رہی ہوں اور آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جہاں میرا جانے والا کوئی نہ ہوگا۔ جہاں شاید میرے والدین بھی مجھے پہچان نہ سکیں کیونکہ میں بہت چھوٹی تھی جب کہ میرا ظالم چچا مجھے اٹھالایا تھا، میں یہ توقع رکھ سکتی ہوں کہ آپ اس دنیا میں مجھے ایک بار ضرور ملیں گے؟ آخر وہاں کوئی تو ہو جسے میں اپنا کہہ سکوں۔ میں آپ کو اپنا سمجھتی ہوں لیکن آپ مجھ سے نزدیک بھی ہیں اور دور بھی

زلیخا کے یہ الفاظ نعیم کے دل میں اتر گئے۔ اس کی آنکھیں پر نم ہو گئیں۔ اُس نے کہا زلیخا! اگر تم مجھے اپنا بنانا چاہتی ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔

زلیخا کا ملول چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ مایوسی کی تاریکی میں مرجھائے ہوئے پھول میں اُمید کی روشنی کے تصور نے تروتازگی پیدا کر دی۔ اس نے بے قرار ہو کر پوچھا:

بتائیے وہ کون سا راستہ ہے؟

زلیخا! میرے آقا کی غلامی قبول کر لو۔ پھر تم میں اور مجھ میں کوئی فاصلہ نہیں رہے گا۔

میں تیار ہوں لیکن آپ کا آقا مجھے اپنی غلامی میں لے لے گا؟  
ہاں وہ بہت رحیم ہے۔

لیکن میں تو چند لحظات کے لیے زندہ ہوں۔

اس بات کے لیے طویل مدت کی ضرورت نہیں۔ زلیخا کہو!  
کیا کہوں! زلیخا نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

نعیم نے کلمہ شہادت پڑھا اور زلیخا نے اس کے الفاظ دہرا دیے۔ زلیخا نے پھر ایک بار پانی مانگا اور پینے کے بعد کہا۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ میرے دل سے ایک بوجھ اتر چکا ہے۔

نعیم نے کہا۔ یہاں سے چند کوس کے فاصلے پر ایک چوکی ہے۔ اگر تم گھوڑے پر سوار ہو سکتیں تو میں تمہیں وہاں لے جاتا۔ چونکہ اس حالت میں تمہارا گھوڑے پر بیٹھنا ناممکن ہے۔ تم تھوڑی دیر کے لیے مجھے اجازت دو۔ میں بہت جلد وہاں سے سپاہی بلاتا ہوں۔ شاید وہ اس پاس کی بستی سے کوئی طبیب ڈھونڈ لائیں۔

نیم نے زلیخا کا سر زمین پر رکھ کر اٹھنے کو تھا لیکن اس نے اپنے کمزور ہاتھوں سے نعیم کا دامن پکڑ لیا اور روتے ہوئے کہا۔ خدا کے لیے آپ کہیں نہ جائیں۔ آپ واپس آ کر مجھے زندہ نہ پائیں گے۔ میں مرتے وقت آپ کے ہاتھوں کے سہارے سے محروم نہیں ہونا چاہتی۔

نعیم زلیخا کی اس دردمندانہ درخواست کو رد نہ کر سکا۔ وہ پھر اس طرح بیٹھ گیا۔ زلیخا نے اطمینان سے آنکھیں بند کر لیں اور دیر تک بے حس و حرکت پڑی رہی۔ وہ کبھی کبھی آنکھیں کھول کر نعیم کی طرف دیکھ لیتی۔ رات کے تین پہر گزر چکے تھے۔ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے، زلیخا کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ اس کے تمام اعضاء ڈھیلے پڑنے لگے اور سانس اُکھڑا کھڑا کرنے لگا۔

زلیخا! نعیم نے بے قرار ہو کر پکارا۔

زلیخا نے آخری بار آنکھیں کھولیں اور ایک لمبا سانس لینے کے بعد دائمی نیند کی آغوش میں سو گئی۔ نعیم نے (اللہ وانا الیہ راجعون) کہہ کر سر جھکا دیا۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے اور زلیخا کے چہرے پر گر پڑے۔ زلیخا کی بے زبانی یہ کہہ رہی تھی۔

اے مقدس، ہستی! میں تیرے آنسوؤں کی قیمت ادا کر چکی ہوں۔

نعیم اُٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور قریب کی چوکی پر پہنچ کر چند سپاہیوں کی ساتھ لے آیا۔ قریب و جوار کی چند بستیوں کے کچھ لوگ بھی جمع ہو گئے۔ نعیم نے نماز جنازہ پڑھائی اور زلیخا اور اس کے ساتھیوں کو سپرد خاک کرنے کے بعد گھر کی طرف کوچ کیا۔



## اجنبی

نعیم ایک وسیع صحرا عبور کر رہا تھا۔ وہ زلیخا کی موت کا غم، سفر کی کلفتوں اور طرح طرح کی پریشانیوں سے مڈھال سا ہو کر آہستہ آہستہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس ویرانے میں کبھی کبھی بھیڑیوں اور گیدڑوں کی آوازیں سنائی دیتیں لیکن پھر خاموشی اپنا رنگ جمالیتی۔ تھوڑی دیر بعد اُفق مشرق سے چاند نمودار ہوا۔ تاریکی کا طلسم ٹوٹنے لگا اور ستاروں کی چمک ماند پڑنے لگی۔ بڑھتی ہوئی روشنی میں نعیم کو دور دور کے ٹیلے، جھاڑیاں اور درخت نظر آنے لے۔ وہ منزل مقصود کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اسے اپنی بستی کے گرد و ناخ کے نخلستانوں کی خفیف سی جھلک نظر آرہی تھی۔ وہ بستی جو اس کی رنگین خوابوں کا مرکز تھی اور جس کے ہر ذرے کے ساتھ اس کے دل کے ٹکڑے پیوست ہو چکے تھے۔ وہ بستی اب اس قدر قریب تھی کہ وہ گھوڑے کو ایک بار سرپٹ چھوڑ کر وہاں پہنچ سکتا تھا لیکن اس کے باوجود اس کے تصورات بار بار اس مقام سے کوسوں دور زلیخا کے آخری گھر کی طرف لے جا رہے تھے۔ زلیخا کی موت کا دردناک منظر بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا۔ اس کے آخری الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس دردناک کہانی کو تھوڑی دیر کے لیے بھول جائے لیکن وہ محسوس کرتا تھا کہ ساری کائنات مظلومیت کے اس شاہکار کی آہوں اور آنسوؤں سے لبریز ہے۔ گھر کے متعلق بھی اسے ہزاروں توہمات پریشان کر رہے تھے۔ وہ اپنی زندگی کے امیدوں کے مرکز کی طرف جا رہا تھا لیکن اس کے دل میں ایک نوجوان کا سا ذوق و شوق اور ولولہ نہ تھا۔ وہ اپنی گزشتہ زندگی میں گھوڑے پر اس طرح ڈھیلا ہو کر کبھی نہیں بیٹھا تھا۔ وہ

خیالات کے ہجوم میں دبا جا رہا تھا۔ اچانک اسے بستی کی طرف سے چند آوازیں سنائی دیں۔ وہ چوکنہ ہو کر سننے لگا۔ بستی کی لڑکیاں دف بجا کر گارہی تھیں یہ عرب کے وہ سیدھے سادے راگ تھے جو اکثر شادی کے موقع پر گائے جاتے تھے۔ نعیم کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جائے لیکن تھوڑی دور اور چلنے کے بعد اس کے اُٹھتے ہوئے ولولے سرد ہو کر رہ گئے۔ وہ اس گھر کی چار دیواری کے قریب پہنچ چکا تھا جہاں سے گانے کی آواز آرہی تھی۔ اور یہ اس کا اپنا گھر تھا۔ کھلے دروازے کے سامنے پہنچ کر اس نے گھوڑا روکا لیکن کسی خیال نے اسے آگے بڑھنے سے روک لیا۔ صحن کے اندر مشعلیں روشن تھیں اور بستی کے لوگ کھانا کھانے میں مشغول تھے۔ چند عورتیں مکان کی چھت پر جمع تھیں۔ عبداللہ مہمانوں کی آؤ بھگت میں مشغول تھا۔ وہ دل میں مہمانوں کے اکٹھے ہونے کی وجہ سوچنے لگا۔ اچانک اسے خیال ہوا کہ شاید عذرا کی قسمت کا فیصلہ کر چکا ہے اور خیال کے آتے ہی اسے اپنے گھر کی جنت اپنی آرزوؤں کا مدفن نظر آنے لگی۔ اُس نے نیچے اتر کر گھوڑے کو دروازے سے چند قدم دُور ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور سائے میں کھڑا ہو گیا۔

بستی کا ایک لڑکا گھر سے بھاگ کر باہر نکلا۔ نعیم نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اور پوچھا۔ یہ کیسی دعوت ہے؟

لڑکے نے سہم کر نعیم کی طرف دیکھا لیکن ایک تو درخت کا سایہ تھا اور دوسرے نعیم کا نصف چہرہ خود میں چھپا ہوا تھا۔ وہ پہچان نہ سکا۔

اس نے جواب دیا۔ یہاں شادی ہے۔

کس کی؟

عبداللہ کی شادی ہو رہی ہے۔ آپ شاید اجنبی ہیں۔ چلیے آپ بھی دعوت میں شریک ہو جائیں!

لڑکائیہ کہہ کر بھاگنے کو تھا کہ نعیم نے پھر اسے بازو سے پکڑ کر ٹھہرا لیا۔

لڑکے نے پریشان ہو کر کہا۔ مجھے چھوڑیے میں قاضی کو بلانے جا رہا ہوں۔

اگرچہ نعیم کا دل اس کا جواب دے چکا تھا لیکن محبت نے ناکامی اور مایوسی کا آخری منظر دیکھنے کے باوجود امید کا سہارا چھوڑا اور اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا:

عبداللہ کی شادی کس سے ہونے والی ہے؟

عذرا کے ساتھ۔ لڑکے نے جواب دیا۔

عبداللہ کی والدہ کیسی ہیں؟ نعیم نے اپنے خشک گلے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

عبداللہ کی والدہ! انہیں تو فوت ہوئے بھی تین چار مہینے ہو گئے۔ یہ کہہ کر لڑکا بھاگ گیا۔

نعیم درخت کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ امی! امی! کہہ کر چند سسکیاں لیں۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک دریا اٹھ آیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے وہی لڑکا اور قاضی اندر جاتے ہوئے دکھائی دیے۔ دل میں دو مختلف آرزوئیں پیدا ہوئیں۔ ایک یہ تھی کہ

اب بھی تیری تقدیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ اگر چاہے تو عذرا تجھ سے دور نہیں۔ اگر عبد اللہ کو تیرے زندہ واپس آنے کا حال معلوم ہو جائے تو اب بھی وہ تیرے دل کی اجڑی ہوئی بستی آباد کرنے کے لیے اپنی زندگی کی تمام راحتیں بخوشی قربان کر دے گا۔ ابھی وقت ہے۔

دوسری آواز یہ تھی کہ اب تیرے اٹار اور صبر کا امتحان ہے۔ عذرا کے ساتھ تیرے بھائی کی محبت کم نہیں اور قدرت کو یہی منظور ہے کہ عذرا اور عبد اللہ اکٹھے رہیں۔ جاں نثار بھائی تجھ پر اپنی خوشی قربان کرنے لے لیے تیار ہوگا۔ لیکن یہ زیادتی ہوگی۔ اب اگر تو نے عبد اللہ سے قربانی کا مطالبہ کیا تو تیرا ضمیر کبھی مطمئن نہیں ہوگا۔ وہ تجھے سندھ تک تلاش کرتا پھر اور اب شاید تیرے زندہ واپس آنے سے مایوس ہو کر عذرا سے شادی کر رہا ہے۔ تو بہادر ہے۔ مجاہد ہے ضبط سے کام لے۔ عذرا کی فکر مت کر۔ وقت آہستہ آہستہ اس کے دل سے تیرا نقش مٹا دے گا۔ آخر تجھ میں کونسی ایسی خوبی ہے جو عبد اللہ میں نہیں!

ضمیر کی دوسری آواز کو کسی حد تک بھلی معلوم ہوئی۔ اس نے محسوس کیا کہ ایک ناقابل برداشت بوجھ اس کے دل سے اُتر رہا ہے۔ چند لمحات میں نعیم کی دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔

## (۲)

جس وقت گھر میں عبد اللہ اور عذرا کا نکاح پڑھا جا رہا تھا، نعیم گھر سے باہر درخت کے نیچے سر بسجود یہ دُعا مانگ رہا تھا:

اے کائنات کے مالک اس شادی میں برکت دے۔ عذرا اور عبد اللہ تمام عمر



خوش و خرم رہیں اور ایک دوسرے پر دل و جان سے ثار رہیں۔ اے مالک حقیقی! میرے حصے کی تمام خوشی ان کو عطا کر دے!

نعیم بہت دیر تک سرجو دپڑا رہا۔ اٹھا تو معلوم ہوا کہ گھر سے تمام مہمان جا چکے ہیں۔ جی میں آئی کہ بھائی کو جا کر مبارکباد دے لیکن ایک اور خیال آیا اور آگے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ اس نے سوچا بے شک بھائی مجھے دیکھ کر خوش ہوگا لیکن شاید اسے ندامت بھی ہو، اور عذرا پر تو یہ بھی ظاہر نہیں ہونا چاہیے کہ میں زندہ ہوں۔ وہ صبر و قرار جو عذرا نے میری واپسی سے مایوس ہو کر حاصل کیا ہوگا جاتا رہے گا۔ اگر انہوں نے یہ سمجھ کر شادی کی ہے کہ میں مر چکا ہوں تو ان کی تمام زندگی بے کیف ہو جائے گی۔ وہ مجھے دیکھ کر نادم ہوں گے۔ عذرا کے پرانے زخم تازہ ہو جائیں گے۔ اس لیے بہتری ہے کہ میں ان سے دور ہوں۔ اور اپنی سیاہ بختی میں انہیں حصہ دار نہ بناؤں۔ ضمیر نے ان خیالات کی تائید کی۔ ایک لمحہ کے اندر اندر مجاہد کے خیال نے عزم اور عزم نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔ نعیم نے واپس مڑنے سے پہلے چند قدم گھر کی طرف اٹھائے اور پھاٹک کے قریب ہو کر اپنی امیدوں کے آخری مدفن کی طرف حسرت بھری نگاہیں ڈالیں۔ وہ واپس ہونے کو تھا کہ صحن میں کسی کے پاؤں کی آہٹ نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ عبداللہ اور عذرا ایک کمرے سے نکلے اور صحن میں آکھڑے ہوئے۔ اس نے چاہا کہ منہ پھیر لے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ عبداللہ اب شادی کے لباس کی بجائے زرہ بکتر پہنے ہوئے ہے اور عذرا اس کی کمر میں تلوار باندھ رہی ہے۔ وہ قدرے حیران ہوا اور دروازے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ اُس نے فوراً تاڑ لیا کہ عبداللہ جہاد پر رخصت ہو رہا ہے۔ نعیم زیادہ حیران بھی نہ ہوا۔ اسے اپنے بھائی سے یہی توقع تھی۔

عبداللہ ہتھیار پہن کر اصطبل کی طرف گیا اور وہاں سے گھوڑا ساتھ لیا پھر عذرا کے پاس آکھڑا ہوا۔

عذرا تم غمگین تو نہیں؟ عذرا نے اسکی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

نہیں۔ عذرا نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ میں تو چاہتی ہوں کہ میں بھی اسی طرح زرہ پہن کر میدان میں جاؤں۔

عذرا! میں جانتا ہوں کہ تم بہادر ہو لیکن آج میں تمہیں سارا دن دیکھتا رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دل پر ابھی تک ایک بوجھ ہے جسے تم مجھ سے چھپانا چاہتی ہو۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ نعیم کوئی بھول جانے والی ہستی نہیں۔ عذرا! ہم سب اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو ضرور واپس آتا۔ یہ خیال نہ کرنا کہ وہ مجھے کم عزیز تھا۔ اگر آج بھی میری جان تک کی قربانی اسے واپس لا سکے تو میں خوشی سے جان پر کھیل جاؤں گا۔ کاش تم سوچو کہ تمہاری طرح میں بھی اس دُنیا میں اکیلا ہوں۔ والدہ اور نعیم کے داغ مفارقت دے جانے کے بعد میرا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں۔ ہم اگر کوشش کریں تو ایک دوسرے کو خوش رکھ سکتے ہیں۔

عذرا نے جواب دیا۔ میں کوشش کروں گی۔

میرے متعلق زیادہ فکر نہ کرنا کیونکہ اب سپین میں مجھے کسی خطرناک مہم پر نہیں جانا پڑے گا۔ وہ ملک قریباً فتح ہو چکا ہے۔ چند علاقے باقی ہیں اور ان میں مقابلے کی طات نہیں ہے۔ میں بہت جلد آؤں گا اور تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں گا۔ مجھے زیادہ سے زیادہ چھ ماہ لگیں گے۔

عبداللہ خدا حافظ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ نعیم اسے باہر نکلتے دیکھ کر دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر ایک کھجور کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔

دروازے سے باہر نکل کر عبداللہ نے ایک بار عذرا کو مڑ کر دیکھا اور پھر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

(۴)

سُبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ عبداللہ گھوڑا بھگائے جا رہا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے ایک اور گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا کہ ایک سوار اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آ رہا ہے۔ عبداللہ گھوڑا روک کر اپنے پیچھے آنے والے سوار کو غور سے دیکھنے لگا۔ پیچھے آنے والا سوار اپنا چہرہ خود میں چھپائے ہوئے تھا۔ عبداللہ کو اس کے متعلق تشویش ہوئی اور اس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روکنا چاہا لیکن اس نے عبداللہ کے اشارے کی کوئی پروا نہ کی اور بدستور گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے نکل گیا۔ عبداللہ کو اور بھی تشویش ہوئی اور اس نے اپنا گھوڑا اس کے تعاقب میں چھوڑ دیا۔ عبداللہ کا گھوڑا تازہ دم تھا۔ اس لیے دوسرا شخص جو بظاہر ایک شہسوار معلوم ہوتا تھا۔ عبداللہ نے اس کے قریب پہنچ کر اپنا نیزہ بلند کیا اور کہا:

اگر تم دوست ہو تو ٹھرو۔ اگر دشمن ہو تو مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ!

دوسرے سوار نے اپنا گھوڑا روک لیا۔

مجھے معاف کیجئے۔ عبداللہ نے کہا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ میرا ایک بھائی بالکل آپ کی طرح گھوڑے پر بیٹھا کرتا تھا اور گھوڑے کی باگ بھی بالکل آپ کی طرح پکڑا کرتا تھا۔ اس کا قد و قامت بھی بالکل آپ جیسا تھا۔ میں آپ کا

نام پوچھ سکتا ہوں؟

سوار خاموش رہا۔

آپ بولنا نہیں چاہتا؟۔۔۔۔۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کا نام کیا ہے؟

سوار پھر خاموش رہا۔

میں آپ کی شکل دیکھ سکتا ہوں؟ سنتے نہیں آپ؟

سوار اس پر بھی خاموش رہا۔

معاف کیجئے۔ اگر آپ کسی صدمہ کی وجہ سے بولنا نہیں چاہتے تو آپ کو کم از کم اپنی شکل دکھانے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آپ کسی ملک کے جاسوس ہیں تو بھی میں آپ کو دیکھے بغیر آگے نہ جانے دوں گا۔ عبد اللہ نے یہ کہہ کر اپنا گھوڑا اجنبی کے گھوڑے کے قریب کیا اور اچانک نیزے کی نوک سے اجنبی کا خود اُتار دیا۔ اجنبی کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی عبد اللہ نے بے اختیار ایک ہلکی سے چیخ کے ساتھ نعیم! نعیم کہا۔ نعیم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

دونوں بھائی گھوڑوں سے اترے اور ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

بہت بیوقوف ہو تم۔ عبد اللہ نے نعیم کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ کم بخت اتنی خود داری؟ اور یہ خود داری بھی تو نہ تھی۔ تم نے تھوڑی بہت عقل سے کام لیا ہوتا اور یہ سوچا ہوتا کہ گھر میں والدہ انتظار کر رہی ہوں گی۔ تمہارا بھائی تمہیں دنیا بھر میں تلاش کرتا پھرتا ہوگا اور عذرا بھی ہر روز بستی کے اونچے اونچے ٹیلوں پر چڑھ کر



تمہاری راہ دیکھتی ہوگی لیکن تم نے کسی کی پروا نہ کی۔ خدا جانے کہاں روپوش رہے۔  
نعیم! تم نے یہ کیا کیا؟

نعیم کوئی جواب دینے کے بجائے بھائی کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں اس کے دل کی کیفیت کی آئینہ دار تھیں۔ عبد اللہ اس کی خاموشی سے متاثر ہوا۔ نعیم کو ایک بار پھر سینے سے لگالیا اور کہا۔ تم بولتے نہیں۔ تم مجھ سے اتنے ہی متنفر تھے کہ منہ چھپا کر میرے قریب سے گزر گئے۔ نعیم! خدا کے لیے منہ سے کچھ بولو! تم کہاں سے آئے ہو اور کدھر جا رہے ہو؟ میں نے سندھ جا کر تمہاری تلاش کی لیکن وہاں سے بھی تمہارا پتہ نہ چلا۔ تم گھر کیوں نہ پہنچے؟

نعیم نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔ بھائی خدا کو میرا گھر پہنچنا منظور نہ تھا۔  
آخر تم رہے کہاں؟ عبد اللہ نے پوچھا۔

نعیم نے اس کے جواب میں اپنی سرگزشت مختصر طور پر بیان کی لیکن اس میں اُس نے زلیخا کا تذکرہ نہ کیا اور نہ یہ بتایا کہ وہ گزشتہ رات گھر کی چار دیواری کے باہر کھڑا تھا۔ جب نعیم نے اپنی سرگزشت ختم کی تو دونوں بھائی دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

عبد اللہ نے پوچھا۔ تم قید سے رہا ہونے کے بعد گھر کیوں نہ آئے؟

نعیم کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔

اب گھر جانے کی بجائے کہاں جا رہے ہو؟ عبد اللہ نے سوال کیا۔

بھائی میں ابن صادق کو گرفتار کرنے کے لیے بصرہ سے کچھ سپاہی لینے جا رہا

ہوں۔

عبداللہ نے کہا۔ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اور امید ہے کہ تم جھوٹ نہ بولو گے۔

پوچھیے !

تم یہ بتاؤ کہ قید سے رہا ہونے کے بعد تمہیں کسی نے بتایا تھا کہ عذرا کی شادی ہو نیوالی ہے؟

نعیم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ عذرا کی شادی میرے ساتھ ہو چکی ہے؟  
ہاں! میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

تم بستی سے ہو کر آئے ہو؟ عبداللہ نے پوچھا۔

ہاں۔ نعیم نے جواب دیا۔

گھر گئے تھے؟

نہیں

کیوں؟۔۔۔ اسی خیال سے کہ میں نے تم پر ظلم کیا ہے؟

نعیم بولا:

آپ کا خیال غلط ہے۔ میں اس لیے گھر نہیں گیا کہ میں آپ پر اور عذرا پر ظلم

نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ میرے گھر آنے کے متعلق مایوس ہو چکے تھے اور آپ نے محسوس کے اکہ عذرا دنیا میں اکیلی ہے اور اسے آپ کی ضرورت ہے۔ گھر جا کر پھر ایک بار پرانے زخموں کو تازہ کر کے عذرا کی زندگی کو تلخ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ فطرت کے اشارات مجھ پر کئی بار ظاہر کر چکے تھے کہ عذرا میرے لیے نہیں۔ تقدیر آپ کو اس امانت کا محافظ منتخب کر چکی ہے۔ میں تقدیر کے خلاف جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بھائی میں خوش ہوں، سجد خوش ہوں کیونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ عذرا آپ کو اور آپ عذرا کو خوش رکھ سکیں گے اور آپ دونوں کی خوشی سے زیادہ مجھے کسی چیز کی تمنا نہیں۔ آپ مجھ پر اور عذرا پر ایک احسان کریں اور وہ یہ ہے کہ آپ عذرا کے دل میں کبھی یہ خیال نہ آنے دیں کہ میں زندہ ہوں۔ آپ اسے یہ نہ بتائیں کہ میں آپ کو ملا تھا۔

نعیم تم مجھ سے کیا چھپانا چاہتے ہو؟ یہ کوئی ایسا معرکہ نہیں جسے میں نہ سمجھ سکوں۔  
تمہاری آنکھیں تمہاری شکل و صورت اور تمہارے لب و لہجہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ تم ایک  
زبردست بوجھ کے نیچے دبے جا رہے ہو۔ عذرا نے میرا دل رکھنے کے لیے یہ قربانی  
دی ہے اور وہ بھی اس خیال سے کہ شاید۔۔۔۔۔۔!

کہ شاید میں مرچکا ہوں۔ نعیم نے کہا۔

اُفِ نعیم مجھے شرمسار نہ کرو۔ میں نے تمہیں بہت تلاش کیا لیکن۔۔۔۔۔!

خدا کو یہی منظور تھا۔ نعیم نے عبداللہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

نعیم! نعیم تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں۔۔۔۔۔ عبد اللہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔  
اسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ بھائی کے سامنے ایک بے گناہ مجرم کی طرح کھڑا

تھا۔

نعیم نے کہا۔ بھائی تم ایک معمولی بات کو اس قدر اہمیت کیوں دے رہے ہو؟

عبداللہ نے جواب دیا۔ کاش یہ ایک معمولی بات ہوتی۔ نعیم یہ والدہ کی وصیت تھی کہ عذرا کو اکیلی نہ چھوڑنا۔ لیکن وہ تمہیں بھولی نہیں۔ وہ تمہاری ہے۔ میں تمہاری اور عذرا کی خوشی کے لیے اسے طلاق دے دوں گا۔ تم دونوں کے اُجڑے ہوئے گھر کو بسا کر جو اطمینان مجھے حاصل ہو گا وہ میں ہی جانتا ہوں۔

بھائی خدا کے لیے ایسا نہ کہو۔ ایسا کرنے سے ہم تینوں کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ میں خود اپنی نظروں میں پست ہو جاؤں گا۔ ہمیں اب تقدیر پر شاکر رہنا چاہیے۔

لیکن میرا ضمیر مجھے کیا کہے گا؟

نعیم نے اپنے چہرے پر ایک تسلی آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا:

آپ کی شادی میں میری مرضی بھی شامل تھی۔

تمہاری مرضی۔ وہ کیسے؟

گزشتہ رات میں وہیں تھا۔

کس وقت؟

آپ کے نکاح سے کچھ دیر پہلے میں نے مکان سے باہر ٹھہر کر تمام حالات معلوم کر لیے تھے۔



تم گھر کیوں نہ آئے؟

نعیم خاموش رہا۔

اس لیے کہ تم خود غرض بھائی کا منہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے؟

نہیں۔ واللہ اس لیے نہیں بلکہ میں اپنے بے غرض بھائی کے سامنے اپنی خود غرضی کا اظہار کرنا کم ظرفی سمجھتا تھا۔ آپ کا سکھایا ہوا ایک سبق میرے دل پر نقش تھا۔

میرا سبق؟

ہاں۔ مجھے آپ یہ سبق دے چکے تھے کہ وہ انس جو ایثار کے جذبے سے خالی ہو محبت کہلانے کا مستحق نہیں۔

میں حیران ہوں کہ تمہاری طبیعت میں یہ انقلاب کیونکر آ گیا۔ سچ بتاؤ کہ تمہارے دل سے عذرا کی جگہ کسی اور تصور نے تو نہیں چھین لی۔ اگرچہ مجھے یہ شبہ نہیں لیکن عذرا شروع شروع میں والدہ سے ایسے شکوک ظاہر کیا کرتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ جہاد کے لیے ایک غیر معمولی جذبہ تمہیں سندھ کی طرف لے اڑا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھی یہ شک ہوتا تھا کہ تم جان بوجھ کر شاید شادی سے پہلو ہی کرنا چاہتے تھے۔ اگر تمہارے گھر نہ آنے کی وجہ یہ تھی تو بھی تم نے اچھا نہیں کیا!

نعیم خاموش رہا۔ ہو نہیں جانتا تھا کہ کیا جواب دے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بچپن کا وہ واقعہ پھر رہا تھا جب وہ عذرا کو پانی میں لے کو دا تھا اور عبداللہ نے اس کی خاطر ایک ناکردہ خطا کا بوجھ اپنے سر لے کر اسے سزا سے بچا لیا تھا۔ وہ بھی

ایک نہ کیے ہوئے جرم کا اقرار کر کے بھائی کو ایک گونا طمینان دلا سکتا تھا۔

نعیم کی خاموشی سے عبداللہ کے شکوک اور پختہ ہو گئے۔ اس نے نعیم کا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ بتاؤ نعیم!

نعیم نے چونک کر عبداللہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ مسکرایا اور کہا:

ہاں بھائی! میں اپنے دل میں کسی اور کو جگہ دے چکا ہوں۔

عبداللہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ اب مجھے بتاؤ تم اُس سے شادی کر چکے ہو یا نہیں؟  
نہیں۔

اس معاملے میں کوئی مشکل حائل ہے؟

نہیں۔

شادی کب کرو گے؟

عنقریب۔

گھر کب جاؤ گے؟

ابنِ صادق کی گرفتاری کے بعد۔

اچھا میں زیادہ نہیں پوچھتا۔ اگر مجھے بہت جلد اندلس پہنچ جانے کا حکم نہ ہوتا تو تمہاری شادی دیکھ کر جاتا۔ واپس آنے تک یہ توقع رکھوں کہ تم ابنِ صادق کو گرفتار کر

نے کے بعد گھر پہنچ جاؤ گے؟

انشاء اللہ!

دونوں بھائی ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ نعیم بظاہر عبد اللہ کی تشفی کر چکا تھا لیکن اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ عبد اللہ کے مزید سوالات سے گھبراتا تھا۔ وہ تمام راستہ بھائی سے اندلس کے حالات کے متعلق سوالات کرتا رہا۔ کوئی دو کوس فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک چوراہے سے ان دونوں کے راستے جدا ہوتے تھے۔ اس چوراہے کے قریب پہنچ کر نعیم نے مصافحہ کرنے کی نیت سے اپنا ہاتھ عبد اللہ کی طرف بڑھایا اور اجازت طلب کی۔

عبد اللہ نے نعیم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔ نعیم تم نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے یا میرا دل رکھنے کی باتیں تھیں؟

آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟

مجھے تم پر اعتبار ہے۔

اچھا خدا حافظ! عبد اللہ نے نعیم کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ نعیم نے ایک لمحہ کے بغیر گھوڑے کی باگ موڑ لی اور سرپٹ دوڑا دیا۔ جب تک اُس کے گھوڑے کی آخری جھلک نظر آتی رہی۔ عبد اللہ وہیں کھڑا اس کی باتوں پر غور کرتا رہا اور جب وہ نظروں سے غائب ہو گیا تو اُس نے ہاتھ پھیلا کر دُعا کی: اے جزا و سزا کے مالک! اگر تجھے منظور تھا کہ عذرا میری رفیق حیات بنے تو مجھے تیری تقدیر سے شکایت نہیں۔ اے مولیٰ! جو کچھ نعیم نے کہا ہے وہ سچ ہو۔ اگر اس کی باتیں سچی نہ بھی تھیں تو بھی انہیں سچا کر دکھا۔ اسے چاہنے والی ایسی ہو کہ وہ عذرا کو بھول جائے۔ اے رحیم! اس کے دل

کی اجڑی ہوئی بستی کو ایک بار پھر آباد کر دے۔ اگر میری کوئی نیکی تیری رحمت کی حق دار ہے تو اس کے عوض نعیم کو دنیا اور آخرت میں مال مال کر دے۔

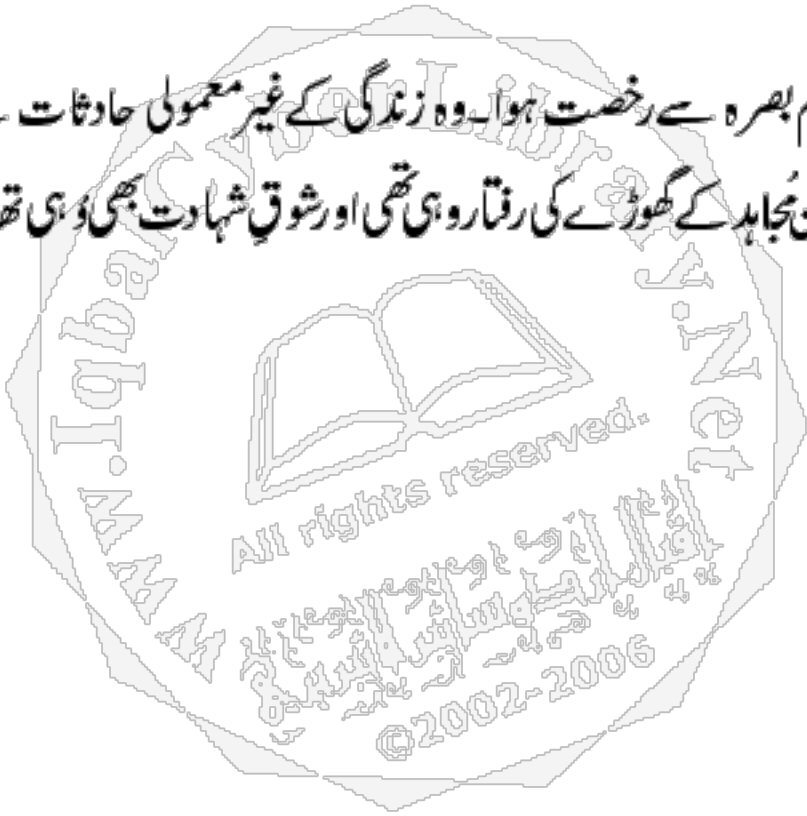
نعیم کے بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی ابن صادق کو گرفتار کرنے کی کوشش ہو رہی تھی لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ نعیم نے والی بصرہ سے ملاقات کی۔ اپنی سرگزشت سنائی اور واپس سندھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

والی بصرہ نے نعیم کے زندہ واپس آ جانے پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سندھ کی فتح کے لیے اب صرف محمد بن قاسم کافی ہے۔ وہ ایک طوفان کی طرح راجوں اور مہاراجوں کی ٹڈی دل افواج کو روندتا ہوا سندھ کے طول و عرض میں اسلامی جھنڈے نصب کر رہا ہے۔ اب ترکستان کے وسیع ملک کی پوری تسخیر کے لیے جانباز سپاہیوں کی ضرورت ہے۔ قتیہ نے بخارا پر حملہ کیا ہے لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کوفہ اور بصرہ سے مزید افواج جاری ہیں۔ پرسوں اس جگہ سے پانچ سو سپاہی روانہ ہوئے ہیں۔ اگر آپ کوشش کریں تو انہیں راستے میں مل سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سندھ میں محمد بن قاسم آپ کا دوست ہے لیکن قتیہ بن مسلم جیسا جرنیل بھی مردم شناسی کے جوہر سے خالی نہیں۔ وہ آپ کی بہت قدر کرے گا۔ میں اس کے نام خط لکھ دیتا ہوں۔

نعیم نے بے پروائی سے جواب دیا۔ میں جہاد پر اس لیے نہیں جا رہا کہ کوئی میری قدر کرے میرا مقصد خدا کا حکم بجالانا ہے۔ میں آج ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ ابن صادق کا خیال رکھیں۔ اس کا وجود اس دنیا کے لیے بہت خطرناک ہے۔

مجھے معلوم ہے۔ میں اس کا خاتمہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، دربارِ خلافت سے اس کی گرفتاری کے احکام جاری ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اس کی طرف سے آپ بھی ہوشیار رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ترکستان کی طرف بھاگ گیا ہو!۔

نعیم بصرہ سے رخصت ہوا۔ وہ زندگی کے غیر معمولی حادثات سے دو چار ہو چکا تھا لیکن مجاہد کے گھوڑے کی رفتار وہی تھی اور شوقِ شہادت بھی وہی تھا۔





## فاتح

محمد بن قاسم کے سندھ پر حملہ آوار ہونے سے کچھ عرصہ پہلے قتیبہ بن مسلم باہلی نے دریاے جیحوں کو عبور کر کے ترکستان کی بعض ریاستوں پر حملہ کیا اور چند فتوحات کے بعد کچھ فوج اور سامان کی قلت اور کچھ جاڑے کی شدت کی وجہ سے مروہیں واپس آ کر قیام کیا۔ گرمیوں کا موسم آنے پر اس نے پھر اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ دریاے جیحوں کو عبور کیا اور چند علاقے فتح کر لیے۔

قتیبہ بن مسلم ہر سال گرمیوں کے موسم میں ترکستان کا کچھ حصہ فتح کر لیتا اور سردیوں میں واپس مراد آ جاتا۔ ۸۷ھ میں اس نے ترکستان کے ایک مشہور شہر بیکند پر حملہ کیا۔ اہل ترکستان ہزاروں تعداد میں شہر کی حفاظت کے لیے جمع ہوئے۔ قتیبہ نے فوج اور سامان کی قلت کے باوجود اطمینان اور استقلال سے شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔ دو ماہ کے بعد شہر والوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

بیکند کی فتح کے بعد قتیبہ نے باقاعدہ طور پر ترکستان کی تسخیر شروع کر دی۔ ۸۸ھ میں سعد کے لشکرِ جرار کے ساتھ ایک خونریز جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے بعد قتیبہ ترکستان کی چند اور ریاستوں کو فتح کرتا ہوا بخارا کی چار دیواری تک جا پہنچا۔ سردیوں کے موسم میں بے سروسامان فوج زیادہ دیر تک محاصرہ جاری نہ رکھ سکی۔ قتیبہ ناکام لوٹنے پر مجبور ہوا مگر ہمت نہ ہاری اور چند مہینوں کے بعد پھر بخارا کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے کے دوران میں نعیم بصرہ کے پانچ سو سواروں کے ہمراہ قتیبہ کی فوج میں شامل ہو چکا تھا۔ اور چند دنوں میں بہادر اور جاندیدہ جرنیل کا بے تکلف دوست بن چکا تھا۔

بخارا کے محاصرے کے دوران میں قتیبہ کو سخت مشکلات پیش آئیں۔ سب سے بڑی تکلیف یہ تھی کہ وہ مرکز سے بہت دور تھا۔ ضرورت کے وقت رسدِ فوجی امداد کا بروقت پہنچنا آسان نہ تھا۔ شاہ بخارا کی حمایت کے لیے ترکوں اور سعدیوں کی بے شمار فوجیں اکٹھی ہو گئیں۔ مسلمان شہر کی فسیل پر منجیق کے ذریعہ سے پتھر پھینک رہے تھے اور آخری حملہ کرنے کو تیار تھے کہ عقب سے ترکوں کا ایک لشکر جرار آتا دکھائی دیا۔ مسلمان شہر کا خیال چھوڑ کر لشکر کی طرف متوجہ ہوئے اور ابھی پاؤں جمائے نہیں پائے تھے کہ شہر والوں نے شہر پناہ سے باہر نکل کر حملہ کر دیا۔ مسلمان دونوں فوجوں کے زعمے میں آ گئے۔ ایک طرف سے بیرونی حملہ آور سر پر پہنچ چکے تھے اور دوسری طرف شہر کی فوجیں تیر بر ساری تھیں۔ مسلمانوں کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ جب ان کے پاؤں اکھڑے نے لگے تو عرب عورتوں نے انہیں بھاگنے سے روکا۔ غیرت دلائی اور مسلمان پھر جان توڑ کر لڑنے لگے تو لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ ترک دونوں طرف قلبِ لشکر تک چڑھ آئے اور قریب تھا کہ حرم تک بھی پہنچ جائیں مگر شجاعانِ عرب آج بھی اپنے آباؤ اجداد کی روایات زندہ کر رہے تھے۔ اُن کا اٹھ اٹھ ک گرنا اور گر کر اٹھنا قادیسیہ اور یرموک کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ اس طوفان پر غالب آنے کے لیے قتیبہ کے زہن میں یہ بات آئی کہ فوج کا کچھ حصہ میدان سے کھسک جائے اور دوسری طرف سے شہر پناہ عبور کے شہر کے اندر داخل ہو جائے لیکن راستے میں ایک گہری ندی حائل تھی جو شہر پناہ کی حفاظت کے لیے خندق کا کام دیتی تھی۔ قتیبہ ابھی تک اس تجویز پر غور کر رہا تھا کہ نعیم گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے قریب آیا۔ اس نے بھی یہی مشورہ دیا۔

قتیبہ نے کہا۔ میں پہلے ہی اس تجویز پر غور کر رہا ہوں لیکن کون ہے جو اس

قربانی کے لیے تیار ہے؟

میں جاتا ہوں! نعیم نے جواب دیا۔ مجھے چند سپاہی دیجئے۔

قتیبہ نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ وہ کون جاننا رہے جو اس نوجوان کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہے؟

اس سوال پر دق اور حریم دو تہی سرداروں نے ہاتھ بلند کیے۔ ان کے ساتھ ان کی جماعت کے آٹھ سو سرفروش شامل ہو گئے۔ نعیم ان جان فروشوں کے گروہ کے ساتھ غنیم کے لشکر کی صفوں سے اپنا راستہ صاف کرتا ہوا میدان سے باہر نکلا اور ایک لمبا سا چکر کاٹ کر شہر کی شمال مغربی جانب جا پہنچا۔ اس کی دائیں بائیں تہی سوار تھے۔ شہر کی فصیل اور ان کے درمیان خندق نمادی حائل تھی۔ نعیم اور اس کے ساتھی تہی سردار ایک لمحہ کے لیے ندی کے کنارے کھڑے رہے۔ اس کی چوڑائی اور گہرائی کا جائزہ لیا۔ گھوڑوں سے اترے اور اللہ اکبر کہہ کر پانی میں کود پڑے۔ فصیل کے اندر ایک بہت بڑا درخت جس کا ایک تنہا فصیل کے اوپر سے ہوتا ہوا خندق کی طرف جھکا ہوا تھا۔ نعیم نے دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس تنے پر کمند ڈالی اور درخت پر چڑھ کر فصیل کے اوپر جا پہنچا اور وہاں سے رسی کی سیڑھی پھنک دی دق اور حریم اس سیڑھی کے سہارے فصیل پر پہنچے اور چند سیڑھیاں پھینک دیں۔ اس طرز ندی کے دوسرے کنارے سے مجاہدین باری باری خندق عبور کر کے فصیل پر چڑھنے لگے قریباً سو آدمی فصیل پر چڑھے تھے کہ نعیم کو خلاف توقع شہر کے اندر پانچ سو سپاہیوں کا ایک دستہ گشت لگاتا ہوا دکھائی دیا۔ نعیم نے ۵۰ سپاہیوں کو وہیں رہنے دیا اور ۵۰ کو اپنے ساتھ لے کر شہر کی طرف اُترا اور ایک وسیع بازار میں پہنچ کر ان کے مقابلے کے لیے کھڑا ہو گیا اور ایک ساعت تک انہیں روکے رکھا۔ اتنے میں

مسلمانوں کی بیشتر فوج فصیل عبور کر کے شہر کے اندر داخل ہو گئی اور ترک سپاہیوں کو ہتھیار ڈال دینے کے سوا کوئی بچاؤ کی صورت نظر نہ آئی۔ نعیم نے اپنے چند ساتھیوں کو شہر کے تمام دروازوں پر قبضہ کر لینے کا حکم دیا اور جابجا اسلام پر چم نصب کرادیے اور خود باقی سپاہیوں کے ساتھ شہر کے بڑے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہاں چند پہرے داروں کو موت کے گھاٹ اتار کر خندق کا پل اُپر اُٹھا دیا۔

ترک افواج شہر پر مسلمانوں کے قبضہ سے بے خبر تھیں اور فتح کی امید میں جان توڑ کر لڑ رہی تھیں۔ نعیم نے مسلمان مجاہدوں کو فصیل پر چڑھ کر ترکوں پر تیر برسانے کا حکم دیا۔ شہر کی طرف سے تیروں کی بارش نے ترکوں کو بدحواس کر دیا۔ انہوں نے پیچھے ہٹ کر دیکھا تو شہر پر مسلمان تیر انداز اور اسلامی پرچم لہراتے ہوئے نظر آئے۔

ادھر قتیبہ نے یہ منظر دیکھ کر سخت حملے کا حکم دیا۔ ترکوں کی اب وہی حالت تھی جو کچھ دیر پہلے مسلمانوں کی تھی شکست کھانے کی صورت میں انہیں شہر کی مضبوط دیواروں کی پناہ کا بھروسہ تھا لیکن اب اس طرف بھی موت کی بھیانک تصویر نظر آتی تھی۔ آگے بڑھنے والوں کے سامنے مسلمانوں کی خارا شکاف تلواریں تھیں اور پیچھے ہٹنے والوں کی دلوں میں ان کے جگر دوز تیروں کا خوف تھا۔ وہ جان بچانے لے لیے دائیں اور بائیں فرار ہونے لگے اور سینکڑوں بدحواسی کے عالم میں خندق میں گود پڑے۔

اس مصیبت کو ختم کر کے مسلمان عقب سے حملہ کرنے والی فوج کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ پہلے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ دیکھ کر ہمت ہار چکی تھی۔ مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر ان میں سے اکثر میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بعض نے ہتھیار